کتاب و سنت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد
حیدرآباد

Volume:15 Issue:9 September 2022

مُدیر

مولانا محمد عبد القوی



ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	اُف ہماری یہ غفلتیں اور بے باکیاں	مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	بعض منافقانہ اعمال وعادات	حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ	۷
پیش گفتار	ملک کے موجودہ حالات میں ملت کی صحیح راہ نمائی	مدیر	۹
گوشۂ سیرت	نوجوان، نبی کریم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ اختیار کریں	مرتب	۱۶
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مولانا مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۱۸
تذکارِ صحابہؓ	سیدنا حضرت زید بن حارثہؓ	مولانا محمد عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۲۰
اصلاحی مضامین	استغفار کے فوائد وثمرات؛ قرآن مجید کی روشنی میں	مولانا مفتی احمد عبیداللہ یاسر قاسمی	۲۷
"	دینی تعلیم کی ایک اور صبحِ نو کی ضرورت	مولانا محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی	۳۲
"	اسلام میں نظامِ معیشت کا تصور اور سودی ۔۔۔۔	مفتی عبدالحمید قاسمی	۳۶
لمحہ فکریہ	توہین رسالت کے واقعات اور لمحہ فکریہ	مولانا مفتی محمد سلمان صاحب قاسمی	۴۲
افاداتِ اکابر	اصلاحِ ظاہر وباطن سے متعلق اکابر کے چند ۔۔۔	حضرت مولانا مفتی ارشد صاحب مدظلہ	۴۶
"	میراث تقسیم نہ کرنے کے نقصانات	انتخاب	۴۸
فقہ وفتاویٰ	آپ کے شرعی مسائل	مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی	۴۹

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ



درسِ قرآن

اُف ہماری یہ غفلتیں اور بے باکیاں

از: مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ ﴿۲۲﴾ (سورۃ ق)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تو اس واقعے کی طرف غفلت میں پڑا ہوا تھا، اب ہم نے تجھ سے وہ پردہ ہٹادیا ہے جو تجھ پر پڑا ہوا تھا، چنانچہ آج تیری نگاہ خوب تیز ہوگئی ہے۔

توضیح: متبحر، خداترس علماء کا ایک قول ہے الناس ینام فاذاماتو اانتبہوا انسان جب تک زندہ ہے حقیقت میں وہ سورہا ہے، اسے دنیا کی بوقلمونیوں، رنگینیوں، دلفریبیوں، مکاریوں کا کوئی پتہ نہیں الا یہ کہ کوئی خوش نصیب باخبر ہو تو اور بات ہے، اور جب یہ مرے گا تو اس وقت اس کی آنکھیں حقیقت میں جاگیں گی، حقائق برزخیہ واخرویہ، اعمال بصورت مجسم وہ تمام مغیبات جس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دے دی تھی نگاہوں کے روبروعیاں ہوجائیں گے، تب آدمی کی نگاہ پھٹی کی پھٹی رہ جائے گی وہ عالم حیرت میں سرگرداں و پریشاں ہوگا۔

تو اس وقت کاتبین اعمال فرشتے جس کو قرآن نے ''سائق وشھید'' کہا ہے اس سے کہیں گے لو! یہ تمہارا نامہ عمل میرے پاس موجود ہے، ان خوفناک، اندوہناک انجام کو دیکھنے کے بعد وہ اپنی موت کو پکارے گا، واپس دنیا میں آنے کی تمنا کرے گا، اس بات کی بھی آرزو کرے گا کہ کاش کہ میں یہ نامہ عمل دیکھنے سے پہلے ہی مرچکا ہوتا، میرا وجود ہی نسیاً منسیاً ہوجاتا یہ آرزو و یہ تمنا بسا آرزوئیں کہ خاک شد ثابت ہوں گی۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا،، الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنی علی الله،، عقلمند وہ ہے جو اپنے آپ سے باخبر رہے اور مابعد الموت کی تیاری کرے، بے عقل وہ ہے جو اپنے نفس کا پجاری بن کر رہے اور اللہ سے تمنا کر بیٹھے اور عمل کچھ نہ کرے، حدیث کی

---

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس

رُو سے صاحبِ شعور وہ آدمی ہے جس کے پیشِ نظر آخرت ہو، وہ اسی اُدھیڑ بُن اور تیاری میں لگا رہے، نفس کے مکائد وشرور سے بچتا رہے، یہی صحیح معنیٰ میں فلاح دارین کا مستحق، حقیقت میں عقل مند سمجھدار ہے، اہل دنیا کسی کو بھی زیرک، ہوشیار، عقل مند کہہ لے مگر عقل مند تو وہ ہے جس کو محبوب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقل مند کہا ہو، دنیا کسی کو نا سمجھ بے وقوف کہتی ہو مگر نگاہِ نبوت میں بیوقوف غافل وہ ہے جو نفس کے تقاضوں پر چلتا ہو، معصیت بھری زندگی گزارتا ہو اور پھر اللہ تعالیٰ سے یہ تمنا بھی رکھتا ہو کہ وہ اسے جنت میں داخل کر دیں گے یہ خام خیالی نفس وشیطان کا دھوکہ ہے۔

عموماً انسان کے فکرِ آخرت سے بے پرواہ ہو جانے کا اصل سبب قساوت قلبی ہے، قساوت قلبی نام ہے دل کی سختی کا، اس کی علامت یہ ہے کہ آدمی کے قلب پر گناہ کے بوجھ کا کوئی اثر باقی نہ رہے وہ بے باکی سے معصیت پر معصیت کیے جائے، اس کیفیت سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ مانگی ہے، اس کو دور کرنے کا طریقہ خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اذکر وا ذکر ھاذم اللذات یعنی الموت لذت کو کڑوی کرنے والی چیز یعنی موت کو یاد کرو، پتہ چلا کہ موت کا استحضار غفلت کو دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، ایسے ہی دل کی سختی اور لا پرواہی کو دور کرنے کا طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی موت، مابعد الموت کے مراحل کو بار بار یاد کرتا رہے اس کا مراقبہ کرتا رہے، جیسے وقت نزع کا جان گسل مرحلہ جس سے آدمی کا وجود دہل جاتا ہے، اس کے بعد عالم برزخ کی کیفیات، قبر کی تنگیاں، تنہائیاں، اس کے بعد میدانِ محشر کی قیامت خیزیاں، ہولناکیاں، پھر میزان عدل پر مواخذے کی پریشانیاں، خوفناکیاں، اس کے بعد پل صراط کی باریکیاں، تیزیاں اگر ان مراحل کا دھیان رکھیں گے تو ہمارے لیے غفلت کا دور کرنا بڑا اسہل ہو جائے گا، دل کی سختیاں دور ہو جائیں گی۔

ہماری زندگی گزارنے کا طریقہ ایسا ہے کہ ہم حالاً یوں کہتے ہیں کہ ہم کو اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے، موت کا سامنا کرنا نہیں ہے، حالاں کہ یہ غفلتیں، یہ معصیت پر بے باکیاں، دنیا و آخرت میں خسران کا سبب بن جاتی ہیں، اللھم احفظنا منه

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری غفلتوں کو دور فرمائے، دنیا کی حقیقت سمجھ کر فکرِ آخرت کی توفیق عطا فرمائے۔

اللھم وفقنا لما تحب و ترضی واجعل آخرتنا خیرا من الاولی

درسِ حدیث



بعض منافقانہ اعمال وعادات

از: حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ

وعن عَبْدِاللهِ بن عمرو قال قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصاً وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اُؤْتمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار عادتیں ایسی ہیں جس میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے، اور جس میں اُن چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو، تو اُس کا حال یہ ہے کہ اُس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، اور وہ اسی حال میں رہے گا، جب تک کہ اُس عادت کو چھوڑ نہ دے ـــــــ وہ چار عادتیں یہ ہیں جب اس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب باتیں کرے تو جھوٹ بولے، اور جب عہد معاہدہ کرے تو اُس کی خلاف ورزی کرے، اور جب کسی سے جھگڑا اور اختلاف ہو تو بدزبانی کرے۔

تشریح: حقیقی اور اصلی نفاق، انسان کی جس بدترین حالت کا نام ہے وہ تو یہ ہے کہ آدمی نے دل سے تو اسلام کو قبول کیا نہ ہو (بلکہ دل سے اُس کا منکر اور مخالف ہو) لیکن کسی وجہ سے وہ اپنے کو مومن ومسلم ظاہر کرتا ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عبداللہ ابن اُبی وغیرہ مشہور منافقین کا حال تھا ـــــــ یہ نفاق دراصل بدترین اور ذلیل ترین قسم کا کفر ہے، اور ان ہی منافقین کے بارہ میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے، کہ: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (ضرور بالضرور منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ڈالے جائیں گے۔) لیکن بعض بُری عادتیں اور بد خصلتیں بھی ایسی ہیں، جن کو ان منافقین سے خاص نسبت اور مناسبت ہے اور وہ دراصل اُن ہی کی عادتیں اور خصلتیں ہیں، اور کسی صاحبِ ایمان میں ان کی پرچھائیں بھی نہیں ہونی چاہیئے ـــــــ پس اگر بدقسمتی سے کسی مسلمان میں اِن میں سے کوئی عادت ہو، تو یہ سمجھا جائے گا کہ

اُس میں یہ منافقانہ عادت ہے، اور اگر کسی میں بدبختی والی وہ ساری عادتیں جمع ہوجائیں، تو سمجھا جائے گا کہ وہ شخص اپنی سیرت میں پورا منافق ہے۔

الغرض ایک نفاق تو ایمان وعقیدہ کا نفاق ہے، جو کفر کی بدترین قسم ہے، لیکن اس کے علاوہ کسی شخص کی سیرت کا منافقوں والی سیرت ہونا بھی ایک قسم کا نفاق ہے، مگر وہ عقیدے کا نہیں، بلکہ سیرت اور کردار کا نفاق ہے، اور ایک مسلمان کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ کفر وشرک اور اعتقادی نفاق سے بچے، اُسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ منافقانہ سیرت اور منافقانہ اعمال واخلاق کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔

اِس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصائل نفاق میں سے چار کا ذکر فرمایا ہے: ۱۔خیانت ۲۔جھوٹ ۳۔عہد شکنی، ۴۔بدزبانی اور ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں اِن میں سے کوئی ایک خصلت ہو، اُس کو سمجھنا چاہیئے کہ اُس میں ایک منافقانہ خصلت ہے اور جس میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہوں، وہ اپنی سیرت میں خالص منافق ہے۔

ایک اور روایت جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ تو منافق والی نماز ہے کہ بے پرواہی سے بیٹھا آفتاب کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب وہ زرد ہوگیا، اور اس کے غروب کا وقت قریب آگیا، تو نماز کو کھڑا ہوا اور چڑیا کی طرح چار چونچیں مار کے ختم کردی اور اللہ کا ذکر بھی اس میں بہت تھوڑا کیا

مطلب یہ ہے کہ مومن کی شان تو یہ ہے کہ شوق کی بے چینی سے نماز کے وقت کا منتظر رہے، اور جب وقت آئے تو خوشی اور مستعدی سے نماز کے لئے کھڑا ہو، اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس وقت مجھے مالک الملک کے دربارِ عالی کی حضوری نصیب ہے، پورے اطمینان اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے، اور قیام وقعود اور رکوع وسجود میں خوب اللہ کو یاد کرے، اور اس سے اپنے دل کو شاد کرے ـــــــ لیکن منافقوں کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نماز اُن کے لئے ایک بوجھ ہوتی ہے، وقت آجانے پر بھی اُس کو ٹالتے رہتے ہیں، مثلاً عصر کی نماز کے لئے اُس وقت اُٹھتے ہیں جب سورج بالکل ڈوبنے کے قریب ہوجاتا ہے اور بس چڑیا کی طرح چار چونچیں مار کے نماز پوری کر دیتے ہیں، اور اللہ کا نام بھی بس برائے نام ہی لیتے ہیں ـــــــ پس یہ نماز منافق کی نماز ہے، اور جو کوئی ایسی نماز پڑھتا ہے وہ مخلص مومنوں والی نہیں، بلکہ منافقوں والی نماز پڑھتا ہے۔

ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کہ جو شخص مسجد میں ہو، اور اذان ہوجائے اور وہ اس کے بعد بلا کسی خاص ضرورت کے مسجد سے باہر چلا جائے، اور نماز میں شرکت کے لئے واپسی کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان منافقانہ عادات واطوار سے محفوظ رکھے۔آمین

پیش گفتار

ملک کے موجودہ حالات میں ملت کی صحیح راہ نمائی

مدیر محترم مدظلہٗ نے ۲۳؍جون ۲۰۲۲ء کو حیدرآباد میں منعقدہ علماء، ائمہ، خطباء اور خدامِ دین کے ایک روزہ ورک شاپ سے ''ملک کے موجودہ حالات میں ملت کی صحیح راہ نمائی'' کے عنوان سے خطاب فرمایا، اسی کے چند اقتباسات قارئین کے خدمت میں پیش ہیں۔ از مرتب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وبہٖ نستعین

ملک کی موجودہ صورت حال میں میں بھی انہی لوگوں کا ایک فرد ہوں جو اِن حالات سے حیران اور بے چین ہیں، اس لئے دوسروں کی رہنمائی کے موقف میں نہیں ہوں، البتہ چند باتیں آپ حضرات کے سامنے اسی طرح پیش کر دیتا ہوں جس طرح اور حضرات نے پیش کی ہیں، بعض باتیں اکابر کے سامنے عرض کرنے کی ہیں اور بعض آپ حضرات سے کہنے کی ہیں:

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس وقت جدید تعلیم یافتہ طبقے کو قریب کرنے اور ان تک دین پہونچانے کی علماء کرام کو فکر کرنی چاہیئے؛ کیوں کہ جو لوگ کالجز میں پڑھ رہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں، اور جو پڑھ چکے ہیں اور تعلیم یافتہ ہیں، ان میں اور ہم علماء کے درمیان میں زیادہ رابطہ نہیں ہے؛ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مسجدیں ایسی ہیں جہاں مصلی تعلیم یافتہ ہیں اور وہ اپنے امام سے قریب ہیں لیکن پوری ریاست کی عمومی صورتِ حال یہ ہے کہ امام صرف محراب و منبر سے وابستہ ہے اور عوام الناس سے اس کو کچھ لینا دینا نہیں ہے، اس کے نتیجے میں عوام ایک الگ دھارے میں بہہ رہے ہیں اور ہماری ایک الگ زندگی گذر رہی ہے، گویا ہم حجرِ اسود ہیں جس کی تقبیل کر لی جائے لیکن اس سے نہ کوئی بات کی جائے نہ سنا جائے نہ سنایا جائے، یہ صورتِ حال ختم ہونی چاہیئے، تمام ائمہ کرام علماء، موذنین، حفاظ جہاں رہتے ہیں اس بات کی کوشش کریں کہ بستی کے نوجوانوں کے ساتھ ان

کے بے غرض اور مخلصانہ تعلقات ہوں، ہم جیسے یعنی بڑی عمر کے لوگ کسی نوجوان سے ملتے ہیں تو وہ گھبراتا ہے، آپ کی عمر کے لوگ نوجوانوں سے ملتے ہیں تو وہ مانوس ہوتے ہیں، قریب آتے ہیں، عمر بھی استفادے کے لئے ایک حجاب ہے، اور میں تقریباً چار پانچ سالوں سے مسلسل کہہ رہا ہوں کہ علماء عوام سے رابطہ بڑھائیں، ہماری عوام ہم سے جدا ہو کر زندگی گذار رہی ہے جوان کی بہت سی کوتاہیوں، غفلتوں اور نقصانوں کا سبب بن رہا ہے، وہ پہلے زمانے میں ہمارے طالب تھے لیکن اس زمانے میں ہم ان کے طالب بنیں، حالات کے بدلنے سے یہ فرق ہوگیا ہے، کبھی ہم اپنے کو کنواں کہتے تھے، اب اپنے کو اَبر بنا لیجئے۔ حضرت پرتاب گڑھیؒ فرماتے تھے ؎

رحمت کا ابر بن کر سارے جہاں پہ چھایئے
عالَم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے

یہ آپ تمام کی ذمہ داری ہے، اس کی طرف خصوصی توجہ دیجئے بل کہ آج ہی سے شروع کر دیجئے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ نوجوانوں میں خود حیدرآباد میں میری اپنی معلومات کے مطابق اچھے خاصے مہذب اور شریف گھرانوں کے اندر دو برائیاں عام ہو چکی ہیں، ایک زنا اور دوسرے نشہ۔ کس کس گھر کی بیٹیاں جسم فروشی کر رہی ہیں ہم نہیں بتا سکتے، اس کے مہذب طریقے نکل گئے ہیں اور اس پر کالج کلچر پردہ بنا ہوا ہے، اس کی طرف بھی ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے، میں یہ بات بہت سوچ سمجھ کر اور یقینی معلومات کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔

اس اجلاس کے دوران یہ بات بار بار آئی کہ مایوسی کی بات نہیں کرنی چاہیئے؛ یہ صحیح ہے لیکن بیماری کا تذکرہ تو کرنا چاہیئے، اس کے بارے میں فکر دلانی چاہیئے، اگر یہ نہیں کریں گے تو بیماری کا حل کیسے ہوگا؟، اس کے ازالے لئے ہم غور کیسے کریں گے اور وسائل کیوں اختیار کریں گے؟ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے لکھا کہ کسی وبا کے عام ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب وہ صحت بن گئی، وہ بیماری ہی ہے اس لئے اس کا ذکر ہمیں کرنا چاہیئے، اس کی مذمت بتا کر اصلاحِ امت کی سعی جاری رکھنی چاہیئے۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ بہت سے مسلم نوجوان اَن پڑھ ہیں، یا ترکِ تعلیم کیے ہوئے ہیں، یا کالجوں میں شریک ہو کر پڑھنے کے بجائے آوارہ گردی اور فضول مشاغل میں پڑے ہوئے ہیں، ان کو پڑھنے کی ترغیب دینے کی ضرورت ہے، وہ کسی نہ کسی کالج میں داخلے لئے ہوئے ہیں، جیسے ہی کالج جوائن کرتے ہیں ہمارے ہاں یہ تصور بنا ہوا ہے کہ دسویں کے بعد ہم آزاد ہیں کوئی ہمیں نہیں پوچھ سکتا، ہر برائی کرنے کی ہمیں آزادی ہے، ایسے بچوں پر نظر رکھنا اُن کو تھوڑا سا قریب کر کے اسلامی تعلیمات پہونچانا چاہیئے، آخر وہ بھی تو مسلمان ہیں، تھوڑی

سی توجہ دی جاتی ہے تو تجربہ ہے کہ ان کے اندر دیانت ،تقویٰ و پرہیزگاری، بسا اوقات ہم لوگوں سے بھی زیادہ آجاتی ہے، وہ پتھروں میں پڑے ہوئے ہیرے ہیں اُن ہیروں کو تلاش کرکے نکالنا اور چمکانا ہے، ابھی کسی تقریب کے بارے میں ایک معتبر ٹیچر نے بتایا کہ غیر مسلم کالج میں پڑھنے والے مسلم لڑکوں اور لڑکیوں نے ایک پارٹی کی جس میں ایک ہی رات میں بارہ لاکھ روپئے خرچ کیئے ،اور اس تقریب میں بچیوں کے برقعے چھین کر بچوں نے چھپا دیئے اور اس میں حقہ کشی ،شراب نوشی ، ہر چیز کی ، اور جب کالج کے ذمہ داروں سے سرپرستوں نے شکایت کی تو انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی قوم کے بچے ہیں ہمارا کوئی بچہ اس میں شریک نہیں ہے، یہ آج ہمارے بچوں کا کلچر ہوگیا ہے، اس پر علماء کو بہت توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

میرے عزیز علماء کرام! آپ ہی کو اللہ کے واسطے یہ محنت کرنا ہے اور آپ ہی کر سکتے ہیں۔آپ ہی اس قوم پر محنت کیجئے اور اس قوم کو صحیح راستے پر لگا دیجئے ، نیابتِ نبوت اور وراثتِ نبوت کے الفاظ کے وزن کو سمجھئے، ذمہ داریوں کو سمجھئے اور آگے بڑھ کر کام کیجئے ،اللہ نے کسی کی محنت رائیگاں نہیں کی ہے، ہماری بھی نہیں کرے گا۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ آپ لوگ سوشل میڈیا پر سیاسی اُمور میں شخصی رائے مت دیجئے ، مذہبی خدمات جتنا کر سکتے ہیں کیجئے ، دین پہونچانے کا کام کیجئے ،جس کو اللہ جتنی توفیق دے اُتنا کام کرلے، اچھے سے اچھا کرلے۔لیکن سیاسی امور میں، قائدین کی گردن ناپنے میں، اُن کی پگڑیاں اچھالنے میں اپنی اپنی رائے پھیلا کر مشکلات مت بڑھایئے ،اس سے موجودہ انتشار اور بڑھے گا اور ملت کا شیرازہ بکھرتا ہی چلا جائے گا، ہر شخص کے ہاتھ میں قلم ہے، ہر شخص جواب دینے اور تبصرہ کرنے کے لئے تیار ہے، اور رات رات بھر جگ کر ڈاؤن لوڈ؛ اپ لوڈ اور فارورڈنگ میں مصروف ہیں، وہ وقت جو اللہ کے سامنے جبینِ نیاز جھکانے اور مناجات کرنے کا تھا وہ وقت بھی انٹرنیٹ کی نذر کر رہے ہیں۔اگر آپ سوشل میڈیا کے ماہر ہیں تو اچھی باتیں اور دین کی باتیں عام کیجئے ، اخلاقیات کو اسلامی کہانیوں کو پھیلایئے ،لیکن سیاسی اُمور پر تبصرے مت کیجئے۔اپنے ہی بڑوں کو رُسوا کرنے کا کام مت کیجئے ، مانا کہ وہ غلطی کر رہے ہوں گے تب بھی ان کو میڈیا پر رُسوا مت کیجئے ، غلطی کے بارے میں ان سے شخصی ملاقات کر لیجئے اور براہِ راست پوچھ لیجئے۔

۵۔پانچویں بات ہمارے بڑوں سے کہنی ہے کہ اس وقت کی سیاسی بصیرت کیا ہے؟ کچھ لوگ ہیں جو سیاسی میدان میں عملاً شریک ہیں ، اُن کو تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ لیکن وہ علماء کرام جو عملی سیاست میں نہیں ہیں ،جن کے کوئی اغراض دنیویہ اس سے وابستہ نہیں ہیں وہ بھی تو طئے کریں کہ اس وقت ملک کہاں کھڑا ہے؟ کس حال میں کھڑا ہے؟ اور اس وقت ملک کے مسلمانوں کے خواص کی کیا

ذمہ داری ہے اور عوام کی کیا ذمہ داری ہے؟ اسی پیاس کو لے کر پوری ریاست سے یہ مجمع آیا ہے کہ ہمارے بڑے کچھ بتانے والے ہیں کہ ہمیں سیاسی طور پر اس ملک میں کیا ذمہ داری ادا کرنا ہے اور ملک کے موجودہ حالات کا مقابلہ کس حکمتِ عملی کے ساتھ کرنا ہے؟ بہت اہم بات ہے کہ اس وقت سیاسی بصیرت سے نوجوان علماء کے اس طبقہ کو آگاہ کیا جائے تاکہ یہ طبقہ اپنے اپنے ماتحتوں اور اپنی اپنی مسجد کے مصلیوں تک اس بصیرت کو پہونچائے اور پوری ریاست کو ایک رنگ اور ایک نتیجہ پر لے کر آئے ، ورنہ جس کو جو سمجھ میں آیا اپنی اپنی جگہوں پر وہ کرر ہا ہے، کوئی کہہ رہا ہے کہ موجودہ حالات میں یہ ہونا چاہیئے کوئی کہہ رہا ہے کہ یہ نہیں ہونا چاہیئے، اکثر علماء کی زبان سے سننے کو ملا ہے کہ اکابر علماء کوئی راستہ کیوں نہیں بتاتے ؟ پہلے جب مسلم مخالف حالات پیش آتے تو جو اکابر اور جو جماعتیں سینہ سپر ہو کر کھڑے ہوتیں اب وہ اکابر بھی خاموش اور وہ جماعتیں بھی ساکت وصامت ہیں، اس سے تشویش اور آزادی وانار کی بڑھ رہی ہے، کم از کم اس طبقۂ علماء کو تو کوئی راہ دکھانا چاہیئے خواہ جو بھی راہ ہو مگر بڑوں کی طرف سے بات آنی چاہیئے، انشاءاللہ کم سے کم یہ مجمع تو آپ جو کہیں گے اسی پے چلے گا اور اپنے لوگوں کو بھی لے کر چلے گا۔اس وقت حالات جو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور کانوں سے سُن رہے ہیں، اور حکومت سے لے کر عدلیہ وانتظامیہ تک رعایا کی جو تقسیم دکھائی دے رہے ہی جس طرح کے قوانین بنائے جارہے ہیں اور جس طرح کے فیصلے سامنے آرہے ہیں، وہ حیرت انگیز ہیں مایوس کُن ہیں، اس پر سب طرف سے سنّاٹا یا میڈیا کا سب آوازوں کو دبا دینا کریلا اور نیم چڑھا کا مصداق ہو گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو حالات اس وقت ملک میں ملتِ اسلامیہ پر آئے ہوئے ہیں، ہمیں سب سے زیادہ ضرورت اس حوالے سے سوچنے کی ہے کہ بہ حیثیت علماء عوام کو کیسے سنبھالنا ہے اور کس طرح اس اُمت کو مضبوط رکھنا ہے، ایک بنیادی بات تو وہی ہے کہ بزدلی اور وہن کو قریب آنے نہ دیا جائے یہ صحیح ہے پھر بھی ہمیں کچھ اقدامات کرنے ہیں جس سے ہم ضرر سے اپنے کو بچا سکیں اور مفادات کو حاصل کرسکیں، رہنا ہم کو یہیں پر ہے اسی مٹی سے پیدا ہوئے اور اسی مٹی میں جانا ہے، اس لئے ہم کو کچھ سوچنا پڑے گا سوچ کر لائحہ عمل تیار کرنا پڑے گا۔ جن لوگوں سے ہم کو مقابلہ ہے ان کا یہ کوئی پانچ ماہ یا پانچ سال کا پلان نہیں ہے، انہوں نے سو برس تک ــــــ کسی متقی اللہ والے کی طرح ــــــ اپنے آپ کو چھپا کر ڈھکا کر یکسوئی کے ساتھ ایک منصوبہ بنایا ہے جس کے بعد ان کے پاس ہر سوال کا جواب ہے، ہر مسئلہ کا حل ہے، یہ سب پہلے طے ہو چکا ہے بعد میں منظر پر آیا ہے اور ہم لوگ بہ غیر کسی منصوبہ بندی کے ان کے مقابلے کے لئے کھڑے ہیں، اس وجہ سے ہمیں بھی کچھ طے کرنا ہے، خواہ یہی سہی کہ کچھ نہیں کرنا ہے۔

سیاسی بصیرت سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ ہم کونسی پارٹی کے ساتھ ہوں، کس کو ووٹ دیں، سیاست میں کس طرح حصہ لیں، میں نے جو سیاسی بصیرت کی بات کہی وہ یہ ہے کہ ملک کے بدلے ہوئے حالات میں ہم اپنی خدمات کس طریقے سے پوری کریں؟ کیا احتیاطیں ہونی چاہیئے اور کن چیزوں میں آگے بڑھنا چاہیئے، پھر یہ ہے کہ ہم نے اس عمر تک حالات کا بدلنا دس دس برس میں دیکھا ہے اور اس وقت حالات ایک ایک سال میں چھ چھ مہینے میں بدل رہے ہیں، علماء اکثر نوجوان ہیں اور وہ بڑے اہم کام کررہے ہیں، وہ جذباتی ہوتے جارہے ہیں مدارس کی انجمنوں میں جس طرح کی تقریریں ہوتی ہیں، اور جیسی نظمیں اور ترانے پڑھے جارہے ہیں وہ حالاتِ زمانہ میں سمِّ قاتل ہیں، جو تقریریں شیخ الاسلام مدنیؒ نے فرمائیں جو بیانات ابوالکلام آزادؒ اور محمد علی جوہرؒ نے دیے اب ملک کے لوگ ان کے متحمل نہیں ہیں، زبانیں کھینچ لینے اور آنکھیں پھوڑ دینے کے استعارات اب استعمال نہیں کئے جاسکتے، جو لب ولہجہ جو آوازے ونعرے انگریز کے مقابل لگائے گئے وہ ابنائے وطن کے سامنے نہیں لگائے جاسکتے، پہلے غلطیاں مختلف تاویلوں سے نباہ لی جاسکتی تھیں اور اُن کا ضرر اسی جگہ تک محدود رہتا تھا، اب بات لمحوں میں عالمی ہوجاتی ہے اور تلافی کی کوئی صورت نہیں رہتی ہے وغیرہ اُمور کی روشنی میں اہلِ مدارس اور خدامِ دین کی جامع راہ نمائی کی ضرورت ہے، اسی کو میں نے سیاسی بصیرت کہا تھا۔

۶۔ چھٹی بات یہ ہے کہ ترجیحی بنیاد پر کام کرنے کی ضرورت ہے جتنی باتیں اس وقت یہاں آئی ہیں ان باتوں میں مختلف کاموں کے مشورے آئے ہیں تو حالات کے حساب سے اور علاقوں کی ضرورت کے اعتبار سے علماء طئے کریں کہ ترجیحی بنیاد پر کام کہاں سے شروع کیا جائے؟ پہلے کسی ایک کام پر سب مِل کے لگ جائیں پھر دوسرے پھر تیسرے کام ہوں، اسلام میں ترجیحِ راجح مستقل عنوان ہے اور مستقل بحث ہے، ترجیحِ راجح اسلام کی خاص شان ہے اس لئے آپ لوگ اس وقت اس کو بھی طے کریں کہ علماء کس کام کو ترجیح دیں اور کیسے کریں؟۔

ایک بات آئی تھی کہ کارکنان کی ہمارے پاس کمی ہے، دیکھئے کارکنان عوام میں ملیں گے، جتنی باطل تنظیموں کو کارکنان ملے ہوئے ہیں پبلک میں سے ملے ہوئے ہیں وہ سب علماء نہیں ہیں، ہم چاہ رہے ہیں کہ کام کے لئے علماء ملیں، اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ علماء عوام سے رابطہ کریں آپ کو قابل ترین لوگ مل جائیں گے۔

۷۔ ساتویں اہم بات جو میرے ذہن میں آتی ہے کہ وہ یہ ہے کہ پروفیشنل حضرات کی مذہبی رہنمائی کی بہت سخت ضرورت ہے، ابھی حجاب والی بات بار بار آئی ہے، اس مسئلہ میں آندھرا پردیش کے ایک سینئر وکیل بتارہے تھے کہ انہوں نے اس بحث کو مکمل سنا ہے، اس بحث میں مثال کے طور پر جج نے یہ بات کہی تھی کہ کیا قرآن میں اس کا حکم ہے؟ انہوں نے آیت پڑھ کر سنائی، ترجمہ بتانے کے لئے کہا تو انہوں نے تفسیر پیش کی،

کورٹ نے کہا یہاں معتبر تفسیر عبداللہ یوسف علی کی ہے، اسی میں دکھایئے، چناں چہ اسی میں ترجمہ دکھایا گیا تو وہاں اس جگہ ترجمہ لکھنے کے بعد انہوں نے خود ایک سوال کھڑا کر دیا ہے کہ کیا اس زمانے میں بھی اس کا حکم ہے؟ ان کی اسی رائے کو ججمنٹ میں بولڈ حرفوں میں لکھا گیا ہے۔ اسی طریقے سے جج نے پوچھا کہ یہ حکم جلباب اوڑھ لینے کا حکم ہے وہ وجوبی ہے یا استحبابی ہے؟ کیوں کہ آپ کے مذہب میں وجوب واستحباب کی بات کی جاتی ہے؟ ہر حکم واجب نہیں ہوتا، تو وکلاء اس پر کچھ زیادہ جواب نہیں دے سکے، لاکھوں لاکھ روپئے دے کر ہم وکیل کھڑا کر رہے ہیں لیکن ان وکلاء کی وہ تربیت نہیں ہو پا رہی ہے جس کی اِثباتِ مسئلہ کے لئے اُن کو ضرورت ہے۔ یعنی چاہے اس کے باوجود فیصلہ خلاف اثبات تو مضبوط ہونا چاہیئے۔ اس لئے یہ بڑا اہم کام ہے کہ جن حضرات سے ہم قانونی خدمات حاصل کرنے کے محتاج ہیں اُنہیں موضوع کا اچھا مطالعہ اور تیاری ہو اور ظاہر ہے کہ یہ ہمارا ہی کام ہے۔

۸۔ آٹھویں بات یہ ہے کہ علماء کرام آزادانہ کام کریں، (یہ بات بعض لوگوں کو تلخ لگے گی لیکن یہاں سب بول رہے ہیں اس لئے میں بھی اپنا ایک تقریباً پچاس سالہ تجربہ آپ کے سامنے رکھنے کے لئے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ) بہت جگہوں پر علماء کو مختلف محاذوں پر کام کرنے میں سب سے بڑی مانع تبلیغی جماعت ثابت ہو رہی ہے، یہ لوگ علماء کو مختلف محاذوں پر کام کرنے نہیں دے رہے ہیں، ہر کام اُن کے مشورے سے ہو، اُن کے امیر کے منشا کے خلاف نہ ہو، ان بے چاروں کا اپنا ماننا یہ ہے سب لوگ اسی کام میں لگ جائیں، سب کام اسی سے ہو جائیں گے اور سب فتنے اسی سے ٹل جائیں گے، میں اس کی ایک چھوٹی سی مثال آپ کو دینا چاہتا ہوں، جب میں ہر دوئی میں حفظ کر رہا تھا اس وقت میں ایک طالب علم اشرف المدارس میں پڑھ کر دیوبند سے فارغ ہو کر دعوت وتبلیغ میں سال لگا کے آئے اور حضرتؒ سے یہ شکایت کی کہ آپ کے مدرسے میں دعوت کا کام نہیں ہوتا ہے اس پر حضرت اُن کو بہت ہی حلم سے مثالوں کے ساتھ سمجھا رہے تھے، ایک مثال یہ دی کہ تمہارے گاؤں میں جامع مسجد ہے؟ کہا: ہاں! تو فرمایا: اس جامع مسجد میں آنے کے کتنے راستے ہیں؟ تو انہوں نے کہا تین راستے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: اگر عصر کی اذان ہو جائے اور لوگ اس مسجد میں مختلف راستوں سے نماز پڑھنے آئیں، ایک راستے سے آپ آتے ہیں اور باقی لوگ دوسرے راستوں سے آتے ہیں، تو جو دوسرے راستے سے آئے وہ سب عصر کی نماز میں شریک کہلائیں گے یا نہیں؟ تو (مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ) انہوں نے کہا کہ میں جس راستے سے آیا ہوں اسی سے آنے والوں کی نماز کو صحیح سمجھوں گا۔ یہ تو چشم دید واقعہ ہے۔[1]

اُس دور میں وقت لگا کر بعض نوجوان علماء کا یہ حال تھا تو اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ مزاج اب کہاں تک پہنچ چکا ہوگا، اِس تنگی وتنگ نظری کے سبب بڑے بڑے علماء ومشائخ اور ان کی خدمات کو ہیچ سمجھنے اور اپنے کام کے

مقابلے میں معمولی گردانتے کے واقعات راقم السطور کے سامنے اتنے ہیں کہ اگر جمع کردوں تو وہ خود ایک طویل مضمون ہوجائے گا، اب تو یہ تنگ نظری بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ علماء تو علماء عوام بھی دین کے ہر دوسرے محاذ کے لئے سدِ راہ بنتے جارہے ہیں، اس لئے میں علماء سے اللہ کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ آپ حضرات دعوت وتبلیغ کے کام کا ساتھ دیجئے، بھرپور ساتھ دیجئے، مگر باہر سے دیجئے، اور آپ خود تمام محاذوں پر دین کو زندہ کرنے کے لئے سنجیدہ ہوجایئے اور دین کا ہر کام کیجئے۔ یہ اس وقت کی اور ہر جگہ کی بڑی مشکل میرے سامنے تھی، اسے میں نے یہاں بیان کردیا اگرچہ آپ کا تجربہ اس کے خلاف ہو میں کسی سے اختلاف نہیں کرتا۔[۱]

۹۔ آخر میں یہ بات کہ مختلف محاذوں پے کام کیسے ہو؟ اس کے جواب میں حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ سے متعدد مرتبہ میں نے یہ بات سنی ہے کہ: ’’ہم علماءِ دیوبند قومی اور ملکی مسائل میں تمام مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ مل کر کام کرنے تیار ہیں، سب کو ساتھ لے کر قومی وملکی مسائل میں کام کرنا چاہیئے، اور ملی مسائل میں ہم کو تمام مسلمانوں سے مل کر کام کرنا چاہیئے اور جہاں تک مسلک کا معاملہ ہے تو ہم دیوبندی ہیں اور مضبوطی سے اس پر قائم ہیں، اس میں کوئی سمجھوتہ نہیں‘‘۔ یہ بڑی جامع بات ہے اسی کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنا لائحہ عمل طے کرنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔ اور ہمارا یہ جڑنا ہمارے لئے اور امت کے لئے نافع بنادے۔ آمین

صفحہ گذشتہ کا حاشیہ ۱؎ ایک واقعہ بہت سبق آموز والد صاحبؒ سے سنا کہ جب وہ ہردوئی میں پڑھتے تب حضرت مولانا یوسف کاندھلویؒ کے کسی سفر میں ہردوئی سے گذرنے کی اطلاع ملی، حضرت ہردوئیؒ اُن کے رفیق درس تھے، چاء ناشتے کا انتظام کرکے اسٹیشن پہنچ گئے، دونوں کے استاذ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ بھی ہردوئی میں تھے وہ بھی ساتھ ہوگئے، اسٹیشن پر ہی ایک طرف دسترخوان لگا کر چاء پانی ہورہا تھا کہ حضرت کاندھلویؒ نے حضرت ہردوئیؒ کو کام کے لئے وقت نکالنے اور اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی، حضرت مفتی صاحبؒ نے دیکھا کہ کہیں ان ساتھیوں میں جن کے کام الگ الگ تھے، بات بڑھ نہ جائے خود ہی جواب دیتے ہوئے فرمایا: آپ چالیس دن کے لئے ان کا مدرسہ سنبھال لیں یہ جماعت میں چلے جائیں گے۔ اس طرح بے تکلف ماحول میں بات ختم ہوگئی۔

اس صفحہ کا حاشیہ ۱؎ اس دن کا مختلف تجویزات کے دوران میرا یہ تبصرہ اگرچہ حقائق وشواہد بل کہ مشاہدات پر مبنی تھا مگر ایک خاص مجمع کے سامنے تھا، مگر بعد میں پتہ چلا کہ کسی نے اس کا شارٹ کلپ بنا کر سوشل میڈیا پر چلتا کردیا، اور موافق ومخالف تبصروں کے ساتھ پورے ملک میں عام ہوگیا، ظاہر ہے کہ یہ نہ ’’المجالس بالامانۃ‘‘ سے میل کھاتا ہے اور نہ ہی کسی کی اصلاح کا طریقہ ہے مگر اپنے اپنے اغراض سے عام کردیا گیا، اسی طرح کا ایک سوال جواب ہمارے سلسلے کی ایک خصوصی نشست میں کسی نے ریکارڈ کرکے پھیلادیا، پھر اس کو مولانا فضیل احمد ناصری زید مجدہ نے اپنے چینل پر اپنی تمہید کے ساتھ سنادیا، جماعت کے لوگوں میں پیدا ہونے والا یہ انتہائی تعصب اور تنگیٔ نظر اگرچہ ملک کے تمام علماء کے لئے قابلِ فکر ہے لیکن میڈیا بازی سے نہ کسی کی اصلاح ہوئی ہے نہ ہوگی، میں انشاء اللہ اگلے شمارے میں قدرے تفصیل سے گفتگو کروں گا۔

گوشۂ سیرت

نوجوان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اختیار کریں!

از: مرتب

حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ نہایت شریف، مال دار اور تاجر خاتون تھیں، لوگوں کو کچھ حصۂ نفع کے عوض اپنا مال بہ طور مضاربت دیا کرتی تھیں، (قریش کا ذریعۂ معاش بھی تجارت ہی تھا) حضرت خدیجہؓ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راست گوئی، امانت داری اور عالی اخلاق کا پتہ چلا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کش کی کہ اُن کا مال ملکِ شام لے جا کر فروخت کریں، اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسروں سے زیادہ نفع دیں گی، اور اپنا ایک غلام میسرہ بھی آپ کے ساتھ کر دیں گی؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیار ہو گئے، اور اُن کا مال لے کر ملک شام کے لئے میسرہ کے ساتھ روانہ ہو گئے، ملکِ شام میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے قیام فرمایا، وہیں قریب میں ایک راہب رہتا تھا وہ اپنے گرجا گھر سے نکلا اور غلام میسرہ سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ میسرہ نے بتایا کہ آپ کا تعلق خاندانِ قریش سے ہے، راہب نے کہا کہ: ''اس درخت کے نیچے سوائے انبیاء کے کوئی نہیں ٹھہرتا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامانِ تجارت فروخت کیا، اور وہاں سے دوسرا مال خریدا، واپس مکہ چلے آئے، میسرہ بھی ساتھ تھے، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹی پر سوار، دوپہر کے وقت اور سخت گرمی میں جا رہے تھے، میسرہ نے دیکھا کہ ''دو فرشتے دھوپ سے بچاؤ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ فگن ہیں''۔ آپ مکہ مکرمہ پہونچے، اور شام سے لایا ہوا مال یہاں فروخت کر دیا اور تقریباً دوگنا نفع کمایا، (اور وہ لا کر خدیجہؓ کے حوالے کر دیا) میسرہ نے سفر کی روداد سناتے ہوئے راہب کی بات اور فرشتوں کی سایہ بانی کا ذکر کیا۔

خدیجہؓ شریف النفس، زیرک و سمجھدار خاتون تھیں، اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں عز و شرف بھی مقدر فرمایا تھا، جب میسرہ سے یہ سب کچھ سنا (تو بہت متاثر ہوئیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کہلا بھیجا کہ ''لوگوں میں آپ کا بڑا مقام ہے، آپ کی راست بازی، امانت و دیانت، حسنِ اخلاق اور قوم میں اونچا مرتبہ ہونے اور مجھ سے خاندانی نسبت کی وجہ سے آپ کے حرمِ زوجیت سے شرف یاب ہونے کی متمنی ہوں، چناں چہ وہ آپ کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئیں، اس وقت حضرت خدیجہؓ اگرچہ نسباً متوسط تھیں؛

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

لیکن عز وشرف اور مال داری میں فائق تھیں، اور اُن کی اِنہی خوبیوں کے سبب ان کی قوم کے کئی لوگ ان سے نکاح کے متمنی اور خواہش مند تھے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے قبل نبوت نکاح فرمایا اور اُن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (سات) اولاد ہوئی، ۳/لڑکے، قاسم، طیب، طاہر (جب کہ بعض روایات میں ۲/لڑکوں قاسم وعبداللہ کا ہی ذکر آیا ہے) اور ۴/لڑکیاں: حضرت زینبؓ، حضرت اُم کلثومؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت فاطمہؓ، قاسم کے نام سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کنیت ابوالقاسم اختیار فرمائی تھی، لڑکے زمانۂ اسلام سے قبل ہی فوت ہو گئے اور لڑکیوں نے زمانۂ اسلام پایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کے ساتھ ہجرت کرنے اور آپ کی اتباع وپیروی کا اُنھیں شرف بھی حاصل ہوا۔ صلی اللہ علی النبی الکریم و سلم تسلیما کثیراً وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین

(دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/۵۰تا۵۳)

فوائد: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا یہ واقعہ قبل بعثت کا ہے، آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاقِ کریمانہ کا پورا مکہ معترف تھا، اور انہیں صفاتِ عالیہ کے سبب حضرت خدیجہؓ نے آپ سے معاملۂ مضاربت کی پیش کش کی تھی، اس ایک معاملہ نے حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راست بازی، امانت ودیانت داری، پاکیزہ کردار واوصاف، نیک سیرت زندگی، اور سماج میں آپ کی نیک نامی سے اثر لئے بہ غیر نہ رہ سکیں، بیوگی کی زندگی پر آپ کی رفیقۂ حیات بننے کو ترجیح دی۔

امت کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں حضرت خدیجہؓ کی سمجھ داری ودانائی اور حسنِ انتخاب سے سبق لے سکتی ہیں کہ انہوں نے نکاح کے لئے کِن اوصاف کو پیش نظر رکھا، اور امت کے نوجوان جو عہدِ شباب کی عمر میں قدم رکھ چکے ہیں اور ازدواجی زندگی کے لئے پاکباز، نیک نفس وعفیف، فرماں بردار واطاعت شعار شریکِ حیات کی تمنا دلوں میں لئے ہوئے ہیں، لیکن کیا انہوں نے اپنی زندگی میں اس مکی نوجوان کے اوصاف سجائے ہیں، کیا انہوں نے راست بازی، امانت داری، عالی حوصلگی، انسانیت نوازی، کردار کی پاکیزگی، شرافت ونجابت کا حسن، احساسِ ذمہ داری، کسبِ حلال کے لئے جدوجہد جیسے عالی اوصاف کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا ہے؟ اگر بنایا ہے تو فللہ الحمد اولاً وآخراً اور اگر نہیں! تو حق تعالیٰ شانہٗ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ شباب کو محفوظ کر کے ہم تک پہونچایا ہے، زندگی کو ان اوصاف وکمالات سے آراستہ کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ تاکہ نبیِٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اُسوہ اقوامِ عالم کے علم میں بھی آئے اور وہ اس پاک ہستی اور اپنے محسن کو پہچان سکیں۔ اور اُن کے قلوب عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہ دولت نورِ ایمان سے منور ہو سکیں۔

گوشہ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت جمیلہ بنت سعد انصاریہ رضی اللہ عنہا

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

حضرت جمیلہ بنت سعد انصاریہؓ ان کا تعلق قبیلۂ انصار کے خزرج خاندان سے تھا، اپنی کنیت ام سعد سے معروف ومشہور تھیں، روایتوں میں مذکور ہے کہ ام سعد کے علاوہ ان کی کُنیت ''امُّ العلا'' بھی تھی، ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: جمیلہ بنت سعد بن ربیع بن عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن مرادالقیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

والد محترم کی شہادت

ان کے والد حضرت سعد بن ربیع انصاریؓ کا شمار نہایت عظیم الشان اور عظیم المرتبت صحابہ کرام میں ہوتا ہے، انہوں قبل ہجرت بیعت عقبۂ اولیٰ اور بیعت عقبۂ ثانیہ میں بڑے ہی ذوق وشوق سے شرکت کی تھی، سن ۲ر ہجری میں سب سے پہلے غزوۂ بدر میں اپنی بہادری اور جواں مردی کے جوہر دکھائے، پھر غزوہ احد میں مردانہ وار لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کرلیا، انہوں نے دمِ واپسیں انصار کو یہ پیغام دیا تھا: اگر آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے اور تم میں سے کوئی ایک بھی زندہ رہ گیا تو اللہ کو ہرگز منہ نہ دکھا سکو گے اور اللہ عزوجل کے سامنے تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان قربان کرنے کا عہد لیا تھا۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ: سعد بن الربیع: ۳ر۵۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

جمیلہ کی پرورش

جس وقت ان کے والد محترم کا انتقال ہو گیا حضرت جمیلہؓ کی ولادت نہیں ہوئی تھی، والد محترم کے انتقال کے کچھ ماہ بعد تولد ہوئیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری اپنے ذمے لی تھی: اس لئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حبیبہ بنت خارجہ، حضرت سعد بن ربیعؓ کی چچازاد بہن تھیں، اس

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دارالعلوم دیودرگ

طرح حضرت ابوبکرؓ حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا کے پھوپھا ہوتے تھے، وہ حضرت جمیلہؓ سے پدرانہ شفقت ومحبت کرتے تھے، ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ لیٹے ہوئے تھے حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا کو اپنے سینے پر بٹھا کر نہایت محبت اور شفقت سے ان کو چوم رہے تھے، اس دوران ایک صحابی رضی اللہ عنہ ان کے یہاں تشریف لائے اور یہ منظر دیکھا تو فرمایا: اے ابوبکر! یہ بچی کون ہے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: یہ اس شخص کی بیٹی ہے جس کو اللہ عزوجل نے شہادت کے مرتبہ پر فائز کیا، انہوں نے راہ حق میں اپنی جان قربانی کردی ان کا شمار روز قیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقیبوں اور حواریوں میں ہوگا''۔

جمیلہ کی روایتیں

حضرت ام سعد جمیلہ رضی اللہ عنہا نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایات نقل کی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی زانوئے تلمذتہہ کیا اور علم وفضل میں اپنے زمانے کے عظیم المرتبت خواتینِ اسلام میں شمار ہوئیں، خود حضرت ابوبکرؓ ان کی نہایت تعظیم وتکریم فرماتے، ان کے عہد خلافت میں ایک دفعہ ام سعدؓ ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے لئے اپنی چادر بچھادی، یہ دیکھ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا: خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ رفیع المرتبت خاتون کون ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ اس شخص کی بیٹی ہیں جن کے باپ ہم دونوں سے بہتر تھے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حیرت زدہ ہوکر پوچھا: وہ کیسے؟ تو فرمایا: ان کے باپ سعد بن ربیعؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حین حیات غزوہ احد میں حفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنی جان قربان کردی، اور جنت الفردوس کے مستحق قرار پائے اور ہم ابھی تک اس دنیا میں ہیں۔''تبوأ معقده من الجنة، وبقيت أنا وأنت'' (معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم: ۳/۹ ۱۲۴، دار الوطن، الریاض)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے والد کے تعلق سے فرمایا: النقباء اثنا عشر منهم: سعد بن الربيع (معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم: ۳/۹ ۱۲۴، دار الوطن، الریاض)۔ میرے بارہ نقیب ہیں جن میں سعد بن ربیعؓ بھی شامل ہیں۔

ام سعد جمیلہؓ کا فضل وکمال

اہل سیر نے حضرت ام سعد جمیلہ رضی اللہ عنہا کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ جمیلہؓ نہ صرف روایۂ حدیث تھیں؛ بلکہ تفسیر القرآن کے رموز اور باریکیوں سے مکمل آشنا وواقف تھیں۔

(اسد الغابۃ، ام سعد بنت سعد بن الربیع: ۶/ ۸ ۳۴۳، دار الفکر، بیروت)

ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی حضرت داؤد بن حصین رحمہ اللہ حضرت ام سعد جمیلہ رضی اللہ عنہا سے قرآن کریم کا درس لیا کرتے تھے ”کنت أقرأ علی سعد بنت سعد بن الربیع “، ابن اثیر رحمہ اللہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ام سعد جمیلہ رضی اللہ عنہا قرآن حکیم کے کئی حصوں کی حافظہ تھیں اور باقاعدہ قرآن کا درس دیا کرتی تھیں۔ (اسد الغابۃ، ام سعد بنت سعد بن الربیع: ۶/ ۳۴۸، دار الفکر، بیروت)

اہل واولاد:

عظیم صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقیہ الامت، کاتب وحی، علم میراث کے امام حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے ام سعد جمیلہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا، حضرت خارجہ بن زید بن ثابت جن کا شمار فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے، حضرت ام سعد ہی کے بطن سے تھے۔ ان کے علاوہ سعد، سلیمان، یحییٰ، اسماعیل، عثمان اور ام زید شامل ہیں۔

وفات

حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا کی وفات کی تاریخ معلوم نہیں۔، ان کے شوہر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتقال سن ۴۵ھ میں ہوا، شاید کے ان کا انتقال ان کے شوہر کے بعد ہی ہوا ہو۔

تذکارِ صحابہؓ

سیدنا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

حضرت زید بن حارثہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام، آپ کے متبنیٰ اور محبوب صحابیؓ ہیں۔ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں اور غزوۂ بدر میں اپنی بہادری کے جوہر دکھانے والوں میں سرفہرست ہیں۔ صحابہ کرامؓ انہیں حِبُّ الرسول اوران کے صاحبزادے اسامہؓ کو حِبّ بن حِبّ کہتے تھے، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے یہ شرف صرف حضرت زیدؓ کو حاصل ہے کہ ان کا نام صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے۔ اسی فضیلت کی بناء پر بعض لوگوں نے حضرت زیدؓ کو افضل الصحابہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ ہوتے۔

مختصر سوانحی خاکہ:

آپ کا نام نامی: زید، کنیت: ابواسامہ، لقب: حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، والد کا نام حارثہ اوروالدہ کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے: زید بن حارثہ، بن شرحبیل بن کعب بن عبدالعزیٰ بن امرؤالقیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن دبرہ بن ثعلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔

حلیہ اور عمر: آپ کا قد کوتاہ، ناک پست اور رنگ گہرا گندمی۔ 54 یا 55 برس کی عمر میں شہادت پائی۔

(الاصابہ، تذکرہ زید بن حارثہ)

ازواج: مختلف اوقات میں متعدد نکاح کیے، آپ کی ازواج کے نام یہ ہیں: ام ایمنؓ، ام کلثوم بنت عقبہ، درہ بنت لہب، ہند بنت العوام، زینب بنت جحشؓ۔ (اسدالغابہ، تذکرہ زید بن حارثہ)

اولاد: آپ کی اولاد میں دولڑکے؛ اسامہ بن زید، زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ ہے۔ حضرت اسامہؓ کے سوا دونوں بچے بچپن ہی میں وفات پاگئے۔ (طبقات ابن سعد، قسم اول تذکرہ زید بن حارثہ)

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

حالات قبل از اسلام:

حضرت زید یمن کے قبیلے بنو قضاعہ کے سردار حارثہ بن شرحبیل کے لختِ جگر تھے۔ آٹھ سال کی عمر میں ڈاکوؤں کے ہاتھ لگ گئے۔ زید کی والدہ سُعدیٰ بنت ثعلبہ قبیلۂ طے کی شاخ بنی مَعن سے تھیں۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ نانیہال گئے، وہاں سفر میں ان کے پڑاؤ پر قیس بن جسر کے لوگوں نے حملہ کیا، پکڑے جانے والوں میں نوعمر زید بھی تھے، ان لوگوں نے طائف کے قریب عُکاظ کے قبیلے میں ان کو بیچ دیا، اِدھر حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے انہیں خرید لیا اور اُنہیں اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے حوالے کر دیا۔ حضرت خدیجہ سے نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زید کو حضرت خدیجہ کے یہاں دیکھا اور ان کی عادات وصفات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پسند آئیں، تو آپ نے ان کو حضرت خدیجہ سے مانگ لیا اور حضرت خدیجہ نے بہ خوشی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ (طبقات ابن سعد، ج2، ص27)

دوسری طرف قافلے کے لوٹے جانے کی خبر سے زید کے گھر والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی اور زید کے والدین کو یہ تک نہیں معلوم تھا کہ زید زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ وہ بیٹے کی جدائی سے بہت پریشان تھے اُنہوں نے مسلسل تلاش جاری رکھی۔ اسی درمیان ایک مرتبہ حج پر آئے ہوئے لوگوں نے زید کو پہچان لیا اور انہیں ان کے والد کی حالتِ زار سے آگاہ کیا۔ زید کے والد کو جب بیٹے کا سراغ ملا تو وہ مکہ پہنچے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ زید کو فدیہ لے کر آزاد کر دیں، ہم زندگی بھر آپ کے ممنونِ احسان رہیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر زید تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو میں کسی قسم کا فدیہ لیے بغیر ہی اسے تمہارے ساتھ بھیجنے کے لیے تیار ہوں۔ حضرت زیدؓ کو بلا کر پوچھا گیا: کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟ وہ بولے: کیوں نہیں! یہ میرے والدِ گرامی ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم اگر اپنے والد کے ساتھ جانا چاہو تو بہ خوشی جا سکتے ہو اور اگر میرے پاس رہنا چاہو تو بھی رہ سکتے ہو۔ یہ حضرت زید کا امتحان تھا، ایک طرف وہ باپ تھا جو مدت سے ان کی تلاش میں سرگرداں تھا، اور زید کے دل میں باپ کی محبت کا سمندر موجزن تھا؛ لیکن انہیں دوسری طرف نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی کا شرفِ عظیم بھی حاصل تھا۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے قسم کھا کر کہا: واللہ! العبودیة عند محمد ﷺ أحب الی من أن اکون عندکم. خدا کی قسم! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی مجھے تمہارے پاس رہنے سے زیادہ مرغوب ہے۔ (تفسیر قرطبی، ج14، ص193)

والد اور چچا حیران ہو گئے اور کہنے لگے: زید! کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے، اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے؟ حضرت زیدؓ نے جواب دیا کہ اس ہستی کے ساتھ رہ کر میری

آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے، اس کے بعد دنیا و مافیہا کو اس کے سامنے ہیچ سمجھتا ہوں۔ حضرت زیدؓ کا یہ جواب سن کر باپ اور چچا خاموش ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت حضرت زیدؓ کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع عام میں اعلان کرا دیا کہ آپ سب لوگ گواہ رہیں، آج سے زیدؓ میرا بیٹا ہے۔ یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس سے۔ حارثہ نے یہ سنا تو اور بھی خوش ہوئے۔ باپ اور چچا دونوں مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ اب وہ کبھی کبھی مکہ آتے اور حضرت زیدؓ کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے۔ چونکہ حضرت زیدؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا، اس لئے لوگ اب آپ کو زید بن محمد پکارنے لگے بعد میں قرآن مجید کے ذریعہ بتلایا گیا کہ متبنی کی حیثیت حقیقی بیٹے کی نہیں ہے؛ بل کہ وہ دینی بھائی کے درجے میں ہے۔ (الاحزاب)

ایمان، تکمیلِ ایمان اور ہجرتِ مدینہ:

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منصبِ نبوت سے سرفراز ہوئے تو چار ہستیاں ایسی تھیں، جنھوں نے کسی تردد کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ نبوت سنتے ہی آپ کو اللہ کا سچا رسول تسلیم کر لیا۔ ایک حضرت خدیجہؓ، دوسرے حضرت زیدؓ، تیسرے حضرت علیؓ اور چوتھے حضرت ابوبکر۔ اس وقت حضرت زیدؓ کی عمر تیس سال تھی اور وہ حضور کی خدمت میں رہتے ہوئے پندرہ سال گزار چکے تھے۔

حضرت ام ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آیا اور کنیز تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے، اور اماں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو ام ایمنؓ سے نکاح کرنا چاہیئے، حضرت زیدؓ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، ان سے نکاح کر لیا، چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو اپنے والد کے بعد حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقب سے مشہور ہوئے، ان ہی کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے۔

جب حضرت زیدؓ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح یہ بھی حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان ہوئے، حضرت اسید بن حضیرؓ انصاری جو قبیلہ عبدالاشہل کے معزز رئیس تھے، ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے، حضرتِ زیدؓ اب تک خاندانِ نبوت کے ایک ممبر کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے؛ لیکن یہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ایک علیحدہ مکان مخصوص فرما دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ کا اُن سے نکاح کر دیا، اس طرح درحقیقت یہ دوسرا طرۂ افتخار تھا جو حضرت زیدؓ کے دستارِ فضل پر نصب ہوا؛ لیکن یہ نکاح زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا، نسبی و خاندانی عدم توازن نے دونوں کی سطح مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیے، حضرت زیدؓ نے دربارِ نبوت میں بار بار ناموافقت کی شکایت کی اور بالآخر

طلاق دینے پر مجبور ہو گئے، انقضائے عدت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ کی معرفت پیام نکاح بھیجا تو انہوں نے کہا، جب تک خدا کی طرف سے کچھ حکم نہ آئے میں کچھ نہیں کر سکتی، چنانچہ اس کے بعد ہی قرآن مجید نے ان کو امہات المومنین میں داخل ہونے کی خوش خبری سنائی۔

محبوبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

جس طرح حضرت زید بن حارثہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت وعقیدت رکھتے تھے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان سے پدرانہ شفقت کا معاملہ فرماتے اور انہیں اپنے خاندان کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ جب کسی مشن کے لیے حضرت زیدؓ کو روانہ کرتے تو ان کے لیے دعا کرتے، جب وہ مشن سے واپس لوٹتے تو آپ دلی مسرت کا اظہار فرماتے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ ایک ملاقات کا منظر بیان فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ زید بن حارثہؓ ایک سفر سے مدینہ واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف فرما تھے، انہوں نے دروازے پر دستک دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی سے دروازہ کھولنے کے لیے اٹھے، جب دروازہ کھولا تو سامنے زید بن حارثہؓ کھڑے تھے، انہیں دیکھ کر آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی، فوراً گلے لگا لیا، ماتھا چوما اور دعاؤں سے نوازا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ بہ خدا میں نے پوری زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی کا اس طرح استقبال وخیر مقدم کرتے نہیں دیکھا۔

کارہائے نمایاں:

حضرت زیدؓ تیر اندازی میں غیر معمولی مہارت و دست رس رکھتے تھے، آپ کا شمار ان مشاہیر صحابہؓ میں ہوتا تھا جو اس فن میں بے نظیر تھے، معرکہ بدر سے غزوۂ موتہ تک جس قدر اہم و خون ریز معرکے پیش آئے سب میں جرأت و بہادری اور شجاعت و پامردی کے ساتھ شریکِ کارزار ہوئے، غزوۂ مریسیع میں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو مدینہ میں اپنی جانشینی کا شرف بخشا؛ اس لیے اس مہم میں حصہ نہ لے سکے۔

معروف غزوات کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہمات آپؓ کی قیادت وسپہ سالاری میں کامیابی سے ہم کنار ہوئیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جس لشکر میں زیدؓ شریک ہوتے تھے، اس میں امارت کا عہدہ ان ہی کو عطا ہوتا، مؤرخین کے مطابق کم وبیش نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے، ان مہمات وسرایا میں سے پہلی مہم سریہ قردہ تھی جس میں آپ نے غنیم کو نہایت کامیابی کے ساتھ شکست دی، اور بہت سے اونٹ، مال واسباب اور دشمن کے ایک سردار فرات بن حیان عجلی کو گرفتار کر کے لائے۔ (سیر الصحابہؓ جلد دوم، ذکر مہاجرین، تذکرہ زید بن حارثہؓ) اسی طرح ربیع الثانی ٦ھ میں بنی سلیم کی سرکوبی پر مامور ہوئے، اس مہم میں بھی حضرت زیدؓ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، بہت سے اونٹ بکریاں اور قیدی پکڑ کر لائے۔ اسی سال قریش کے ایک قافلہ کو جو شام سے واپس آ رہا تھا

روکنے کا حکم ہوا، حضرت زیدؓ ایک سوستر سواروں کے ساتھ یکا یک مقام عیص میں اس قافلہ پر جا پڑے اور تمام اہل قافلہ کو مع سامان گرفتار کرلائے، مال غنیمت میں چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو صفوان بن امیہ کے لیے شام سے آرہا تھا، قیدیوں میں ابوالعاص بن الربیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد بھی تھے، جنھوں نے اپنی اہلیہ اور حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت زینبؓ کی پناہ حاصل کر کے خلاصی پائی۔ اسی سال ماہ جمادی الثانیہ میں مقام طرف پر حملہ آوار ہوئے؛ لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی کیونکہ دشمن پہلے ہی خائف ہو کر بھاگ گیا تھا، اس کے بعد مقام حسمیٰ پر فوج کشی ہوئی، پانچ سو جانباز مجاہد آپؓ کے زیر کمان تھے، آپؓ احتیاط کے خیال سے دن کو پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے قطع منازل کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز یکا یک غنیم پر جا پڑے، اور سالماً غانماً واپس آئے، چونکہ اس قوم کے ایک رکن ابو یزید بن عمرو نے دوراندیشی سے پہلے ہی پہنچ کر اسلام قبول کرلیا تھا، اس لیے ان کی سفارش پر تمام قیدی رہا کر دئے گئے، اور مالِ غنیمت واپس کر دیا گیا، پھر اسی سال ماہِ رجب میں وادی قری کی مہم پر بھیجے گئے اور کامیابی کے ساتھ واپس آئے۔

(طبقات ابن سعد حصہ مغازی باب سریہ طرف صفحہ ۶۳)

غزوہ موتہ میں شرکت اور مرتبہ شہادت:

صلح حدیبیہ کے بعد ۷ ھ کے بالکل اوائل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان رؤساءِ عرب کے نام بھی نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے تھے جو عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں آباد تھے۔ ان میں غسان کا قبیلہ تعداد میں بھی بڑا تھا اور کافی طاقت ور بھی تھا۔ اس قبیلہ کے لوگ اگرچہ عرب تھے؛ لیکن ایک مدت سے عیسائی تھے، یہ قبیلہ قیصر روم کے ماتحت اور اس کا باج گزار تھا، اس وقت قبیلہ کا رئیس وحکمران شُرَحْبِیل بن عمرو نامی شخص تھا، اس کے پاس حارث بن عمیرؓ بطورِ قاصد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر گئے تھے۔ اس بدبخت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کو شہید کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انؓ کے خون کے قصاص کے لئے تین ہزار کا لشکر تیار کر کے جمادی الاولیٰ ۸ ھ میں شام کی طرف بھیجا، اس لشکر کا سپہ سالار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو مقرر فرمایا اور پہلے ہی سے طے کر دیا کہ اگر ان کو دولتِ شہادت نصیب ہو تو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ (حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی) سپہ سالار رہوں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سپہ سالار رہوں گے جو انصاری تھے اور مشہور شاعر تھے۔

اِدھر مدینہ میں مسلمانوں کا لشکر ترتیب پا رہا تھا اور اُدھر جاسوسوں نے شُرَحبیل کو خبر کر دی۔ چنانچہ شُرَحبیل نے اس لشکر کے مقابلہ کے لئے قریباً ایک لاکھ کی فوج تیار کی، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ معاملہ قصاص اور انتقام کا

ہے، لہذا جنگ ضرور ہوگی، پھر خود قیصر روم (ہرقل) ایک بہت بڑی فوج لے کر غسانیوں کے دار الحکومت بصریٰ سے چند میل کے فاصلہ پر آ کر بیٹھ گیا تاکہ اگر غسانی شکست کھائیں تو وہ ان کی مدد کے لئے اپنی فوج لے کر پہنچ جائے۔ اہل ایمان کے لشکر کو جب غسانیوں کی تیاری اور اس کی پشت پر ہرقل کی فوج کی موجودگی کا علم ہوا تو مشورہ ہوا کہ ان حالات میں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے، اس سنگین صورت حال میں مقابلہ کا خطرہ مول لینا چاہیے یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے۔

حضرت زیدؓ کی رائے تھی کہ ہمیں سر دست مقابلہ نہیں کرنا چاہیے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی رائے یہ تھی کہ مقابلہ کیا جائے، چنانچہ وہ اٹھے اور انہوں نے تقریر کی کہ مسلمانو! ہم دنیا کے طالب ہو کر نہیں نکلے، فتح اور شکست سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ہم تو شہادت کے متمنی ہیں، اللہ نے ہمیں یہ موقع فراہم کیا ہے تو ہم تاخیر کیوں کریں۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ فیصلہ ہو گیا کہ اب مقابلہ کیا جائے گا، چنانچہ تصادم ہوا اور زبردست تصادم ہوا۔ کہاں تین ہزار کی مختصر جماعت اور کہاں ایک لاکھ کا لشکر جرار! لیکن جوشِ ایمانی اور شوقِ شہادت سے سرشار یہ مختصر جماعت ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوئی، حضرت زیدؓ نے ایسی جواں مردی کے ساتھ جنگ لڑی کہ جنگی کارناموں کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، بالآخر دشمن کے نیزوں نے آپ کے جسم کو چھلنی چھلنی کر دیا اور آپؓ دادِ شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش فرما گئے، آپ کے بعد جھنڈا حضرت جعفرؓ نے تھام لیا اور اس کی حفاظت کے لیے بڑی جاں فشانی سے دشمن کے مقابلے میں نبرد آزما رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے ان کے شہید ہو جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے آگے بڑھ کر جھنڈا تھام لیا اور ایسی بہادری سے دشمن کا مقابلہ کیا کہ دیکھنے والے ششدر رہ گئے؛ لیکن بالآخر لڑتے لڑتے اللہ کو پیارے ہو گئے، ان کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالار منتخب کیا گیا ابھی آپ نئے نئے حلقہ بہ گوش اسلام ہوئے تھے؛ لیکن آپ نے اپنے تجربات کی بنا پر ایسی جنگی تدبیر اختیار کی کہ لشکر اسلام کو ہزیمت سے بچا لیا۔

جب جنگ ''موتہ'' کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی اور لشکر اسلام کے تین سپہ سالاروں کی شہادت کا علم ہوا تو آپ اتنے غم گین ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی آپ کو اس طرح حالت غم میں نہیں دیکھا گیا۔ آپ خبر سنتے ہی فوری طور پر تعزیت کے لیے ان کے اہل خانہ کے پاس گئے، جب آپ تسلی دینے کے لیے حضرت زید بن حارثہؓ کے گھر پہنچے تو آپؓ کی چھوٹی بیٹی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چمٹ کر زار و قطار رونے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آب دیدہ ہو گئے، یہ منظر دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپ بھی رو رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ ایک حبیب کا اپنے حبیب کے غم میں رونا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ

اصلاحی مضامین

قسط (۳)

استغفار کے فوائد وثمرات؛ قرآن مجید کی روشنی میں

ازقلم: مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی*

(15) نبی رحمت ﷺ کو استغفار کا حکم

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۠ تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت مانگو۔ یقین جانو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔ (سورۃ النصر)

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے: وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ ترجمہ: اور اپنے قصور پر بھی بخشش کی دعا مانگتے رہو، اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی بخشش کی بھی۔ (سورۃ محمد آیت نمبر: 19)

مزید ایک اور مقام پر ذکر ربانی ہے: وَّاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ ۝ (سورۃ الغافر) اپنی لغزش کی معافی مانگیے اور صبح وشام اپنے پروردگار کی حمد اور پاکی بیان کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں امت محمدیہ کے ساتھ ساتھ رہبرِ اعظم نبی رحمت ﷺ کو بھی بار بار استغفار کی تاکید فرمائی ہے کہ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ نبی رحمت ﷺ کی مکمل حیات مبارکہ، عہد طفولیت سے لیکر شباب تک، کہولت سے لے کر وفات تک خواہ وہ مکی ہو یا مدنی تمام کی تمام ہی بے عیب اور بے داغ گزری ہے، پوری امتِ محمدیہ علی صاحبہا ألف ألف تحیۃ و سلام اس بات پر متفق ہے کہ سرور کائنات کی حیاتِ مبارکہ سفید چادر کی طرح بے داغ تھی۔ اور معمولی سے معمولی دھبۂ عصیاں بھی کسی نے نہیں دیکھا۔

حتیٰ کہ مشرکینِ مکہ آپ کے سخت ترین دشمن ہونے کے باوجود آپ کی ذاتِ گرامی پر کوئی عیب نہیں لگا سکے، ہر قسم کے گناہ سے نبی رحمت ﷺ کی ذاتِ گرامی مبرّا و پاک تھی یعنی نبی رحمت ﷺ کی ذات معصوم عن الخطا تھی، اس کے باوجود رب العالمین نے رحمت للعالمین ﷺ کو بار بار استغفار کی تلقین فرمائی ہے

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

اس کی کیا وجہ ہے؟ ویسے تو اس سوال کی کئی ایک مصلحتیں اور حکمتیں مفسرین کرام نے بیان فرمائی ہیں لیکن تین اہم باتیں اس ضمن میں سمجھ میں آتی ہیں:

(1) پوری امت کو استغفار کی تاکید

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استغفار کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ اس کا مقصد پوری امت کو استغفار کی تعلیم اور تلقین تھا اور اس کی فضیلت اور اہمیت لوگوں کو بتانا تھا کہ جب امام الانبیاء، سیّد المرسلین، شاہِ عرب وعجم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معصوم ہونے کے باوجود استغفار کا حکم دیا جارہا ہے تو عام مومنین کو جو شبانہ روز گناہوں میں مبتلا ہیں ان کو کس قدر استغفار کا اہتمام کرنا چاہیے؟

اسی مضمون کو شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے آسان ترجمہ قرآن میں ذکر فرمایا ہے: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویسے تو ہر طرح کے گناہوں سے بالکل پاک اور معصوم تھے اور اگر آپ کی شان کے لحاظ سے کوئی بھول چوک ہوئی بھی تو سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی معاف کرنے کا اعلان فرما دیا تھا، اس کے باوجود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استغفار کی تلقین امت کو یہ بتانے کے لئے کی جارہی ہے کہ جب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغفار کا مطالبہ ہے تو دوسرے مسلمانوں کو تو اور زیادہ اہتمام کے ساتھ استغفار کرنا چاہیے۔

(مستفاد از تفسیر سورۃ النصر، آسان ترجمہ قرآن)

(2) نیک عمل کی ادائیگی کے بعد استغفار

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استغفار کا حکم دینے کی دوسری مصلحت جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ امت کو نیک اعمال کی ادائیگی پر استغفار کرنا چاہیے، گھمنڈ اور کبر وعجب سے بچ کر شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ ہم خود جانتے ہیں کہ ہماری عبادات میں کس قدر کوتاہیاں اور خامیاں ہوتی ہیں غفلت، ریا، نام ونمود، اور نہ جانے کتنی کوتاہیاں ہمارے اعمال کو برباد کرنے کے لیے کافی ہوتی ہیں؛ اس لیے نیک عمل کے اختتام پر استغفار کا مقصد اس عمل میں رہ جانے والی کوتاہیوں پر استغفار ہے کہ میرے مولیٰ تو نے ہم کو اس عبادت کی توفیق بخشی، لیکن ہم سے عبادت کی ادائیگی کا حق ادا نہ ہوسکا، اس لیے ہمارے گناہوں کو بخش دے، اسی کا سبق امت کو سکھلانے کے لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود معصوم ہونے اور عبادات کامل ومکمل ہونے کے باوجود ہر نماز کے بعد استغفار فرماتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا انصرف من صلاتہ استغفر ثلاثاً"۔ (رواہ مسلم) ترجمہ: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے بعد تین مرتبہ استغفار فرماتے تھے بلکہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک مجلس میں ستر ستر بار اور بعض اوقات سو سو مرتبہ استغفار کرتے تھے۔

(3) جب موت قریب محسوس ہو تو استغفار کی کثرت

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استغفار کا حکم دینے کی تیسری مصلحت جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ جب انسان کو اپنی موت قریب محسوس ہو تو تسبیح و استغفار کی کثرت کرنی چاہیئے جیسا کہ متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہؓ سے منقول ہے کہ اس سورۂ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آ جانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا کام پورا ہو چکا اب تسبیح و استغفار میں لگ جایئے، غور کرنا چاہیے کہ رسالت و نبوت کی گراں بار ذمہ داری کو جس عظمت اور اہمیت کے ساتھ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیا ہے کیا اس میں کمی ہو سکتی ہے؟ تو پھر آخر ہمیں عمر میں زندگی بھر کی محنتوں اور کوششوں پر تکیہ کر کے نہیں بیٹھنا چاہیے بلکہ استغفار کی کثرت کرنی چاہیے، مفسرِ اعظم حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ اسی مضمون کے سلسلے میں فرماتے ہیں: **فسبح بحمد ربك واستغفره** کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو یہ دعا کرتے تھے سبحانک ربنا و بحمدک اللھم اغفر لی (رواہ البخاری)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے بیٹھتے اور جاتے آتے ہر وقت یہ دعا پڑھتے تھے، سبحان اللہ و بحمدہ استغفر اللہ و اتوب الیہ اور فرماتے تھے کہ مجھے اس کا حکم کیا گیا اور دلیل میں اذا جاء نصر اللہ کی تلاوت فرماتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادت میں بڑا مجاہدہ فرمایا یہاں تک کہ آپ کے پاؤں ورم کر گئے۔ (قرطبی)

اور مکحولؒ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ استغفار کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا"۔ اور حضرت مکحولؒ نے فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے زیادہ استغفار کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا، اور حضرت مکحولؒ خود بھی کثیر الاستغفار تھے۔

(16) نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کے لیے استغفار

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾ ترجمہ: ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر) تم نے ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ اگر تم سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر

ہوجاتے۔لہذا ان کو معاف کردو، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو، اوران سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ یقینا توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (سورۃ آل عمران آیت نمبر 159)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝۶۴ ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا کسی اور مقصد کے لیے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آکر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔ (سورۃ النساء)

ان آیاتِ کریمہ کا اپنا ایک پس منظر اور شانِ نزول ہے ان آیات سے کبھی منافقین کے حقائق سے پردہ اٹھانا مقصد ہوتا ہے تو کبھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی امت کی تئیں تڑپ اور احساس کو اجاگر کرنا، لیکن ان آیات سے جو ضابطہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجائے اور آپ اس کے لئے دعا مغفرت کردیں اس کی مغفرت ضرور ہوجائے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہوسکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری بھی اسی حکم میں ہے اسی مضمون کو مفتی شفیع عثمانی صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں بحوالہ البحر المحیط ذکر کیا ہے کہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آکر گر گیا اور زار وزار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار رسول کی خدمت میں حاضر ہوجائے اور رسول اس کے لئے دعائے مغفرت کردیں تو اس کی مغفرت ہوجائے گی، اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں اس وقت جو لوگ حاضر تھا ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضہ اقدس کے اندر سے آواز آئی قد غفر لک یعنی مغفرت کردی گئی۔ (بحر المحیط)

(17) انبیاء کرام علیہم السلام کا استغفار

استغفار کا حکم صرف اس امت کو نہیں دیا گیا بلکہ امم سابقہ میں بھی انبیاء کرام نہ صرف اپنی امتوں کو استغفار کی جانب متوجہ کرتے تھے بلکہ خود بھی استغفار فرماتے تھے چنانچہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا

استغفار قرآن مجید میں ان الفاظ میں مذکور ہے: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴿۲۳﴾ ترجمہ: دونوں بول اٹھے کہ: اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گزرے ہیں، اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہوجائیں گے۔ (سورۃ الأعراف)

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا استغفار قرآن یوں بیان کرتا ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴿۴۱﴾ ترجمہ: اس دن میری بھی مغفرت فرمایئے میرے والدین کی بھی، اور ان سب کی بھی جو ایمان رکھتے ہیں۔ (سورۃ ابراہیم آیت نمبر 41)

قرآن مجید میں حضرت یونس علیہ السلام کے استغفار کی جھلک کچھ یوں ذکر کی گئی ہے وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۸۷﴾ ترجمہ: اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی یونسؑ) کو دیکھو! جب وہ خفا ہوکر چل کھڑے ہوئے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم ان کی کوئی پکڑ نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے اندھیریوں میں سے آواز لگائی کہ: (یا اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے، بیشک میں قصور وار ہوں۔ (سورۃ الأنبیاء آیت نمبر 87)

اور اخیر میں ہمارے پیغمبر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی استغفار کا حکم دیا گیا اور اس پر وعدہ مغفرت فرمایا گیا وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴿۱۱۸﴾ ترجمہ: اور تم (اے پیغمبر) یہ کہو کہ: میرے پروردگار! ہماری خطائیں بخش دے، اور رحم فرمادے، تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ المؤمنون آیت نمبر 118)

(18) استغفار کا ایک پسندیدہ وقت

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴿۱۸﴾ (یعنی مومنین متقین سحر کے وقت اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہیں) اسحار، سحر کی جمع ہے، رات کے آخری چھٹے حصے کو سحر کہا جاتا ہے اس آخری حصہ شب میں استغفار کرنے کی فضیلت اس آیت کریمہ میں مذکور ہے۔

اصلاحی مضامین

دینی تعلیم کی ایک اور صبحِ نو کی ضرورت

مولانا محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی*

قرآن وسنت دین اسلام کی اساس و بنیاد ہیں، ان کی تعلیم وتشریح اور اشاعت وحفاظت مسلمان کی اپنی ذمہ داری ہے، جب تک اسلامی حکومتوں کا دورِ عروج رہا یہ ذمہ داری عوامی اور حکومتی دونوں سطح پر بحسن وخوبی انجام پاتی رہی، چنانچہ اس دور میں مسلمان علم وعمل اور عقائد واحکام میں نہ صرف یہ کہ پختہ تھے بلکہ وہ اس حوالہ سے ہمیشہ فکرمند رہا کرتے تھے،فکرصرف اپنی نہیں بلکہ ان کی فکر کا محور بیوی بچے اور دیگر اہلِ خانہ بھی ہوا کرتے تھے، اپنی موت کے وقت دین وایمان پر جمے رہنے کی تاکید اور وصیت کرنا نہیں بھولتے تھے،قومی اور ملی اعتبار سے ایسا ماحول تھا کہ مسلمانوں کی دینی تعلیم اور ایمانی تربیت کے لیے مکاتب و مدارس کے ساتھ تربیت گاہوں کا مستحکم نظام تھا، خلافتِ راشدہ کا وہ بابرکت دور فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ علم وعمل، صلاح وتقویٰ، فقروزہد اور اخوت ومساوات کے لحاظ سے وہ انسانیت کا تابناک دور تھا جس کے آثار وبرکات نے عرصہ دراز تک دنیا کو منور رکھا، بعد کے دور میں مسلم حکمرانوں کی عملی زندگی اگرچہ مجروح ہوتی چلی گئی لیکن اعتقادی پہلو ہمیشہ محفوظ رہا، بہت سے اسلامی ممالک میں یہ سلسلہ ابھی بھی قائم ہے، جس کی وجہ سے وہاں کے لوگ سب کچھ ہونے ساتھ دیندار، ایمان دار، تقویٰ شعار، اور نیک انسان بھی ہوتے ہیں اور کم از اسلام وکفر اور توحید ورسالت کی حقیقت سمجھتے ہیں۔

ہمارے ملک ہندوستان میں مسلمانوں کے عقائد واعمال اور ان کے مذہبی تشخص کی حفاظت میں سب سے اہم رول مدارس، مساجد اور خانقاہوں نے انجام دیا ہے، اسلامی حکومتوں کے زوال کے بعد شعائرِ دین کی بقا انہی اسلامی قلعوں کی مرہونِ منت ہے، بالخصوص دینی مدارس کی برکت سے ملک میں دین کا شعور اور خدا پرستی کا احساس کسی نہ کسی درجہ میں بیدار ہے، اس کے علاوہ تبلیغی جماعتوں کے پیار ومحبت سے کلمہ طیبہ اور نماز پڑھوانے کی غرض سے تبلیغی دورے، احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ بتلانے کے لیے دارالافتاؤں کا قیام اور معاشرتی وعائلی مسائل کے حل کے لیے دارالقضاؤں کی خدمات بھی دینی بیداری کے حوالہ سے قابل ذکر ہیں۔لیکن بدقسمتی سے ایک دور ایسا بھی آیا کہ غیروں کے ساتھ بعض اپنوں کی طرف سے بھی دینی علوم، مدارس دینیہ اور علماء کے خلاف

* خادم تدریس دارالعلوم حیدرآباد

پروپیگنڈہ کیا گیا کہ مذہب اور دینی علوم جدید ترقیات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، علماءِ دین ملک و ملت کی ترقی اور استحکام بلکہ سالمیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں، مدارس اسلامیہ عصری تقاضوں کے خلاف فتنہ وفساد کے مراکز ہیں، نیز یہاں کی تعلیم معاشی اعتبار سے انسان کو خوشحال زندگی عطا کرنے سے قاصر ہے، اس زہر کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے بچوں اور بچیوں کو مدارس، مساجد، مکاتب، تبلیغی جماعت اور خانقاہوں سے نہ صرف یہ کہ روک لیا بلکہ ان سے بدگمان بھی رہنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ بے دینی، بددینی، دین بیزاری، ارتداد، الحاد اور خرابیِ عقائد کے دلخراش واقعات ہمارے سامنے آنے لگے، جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

اب مسلمانوں کی صورت حال اس قدر خراب ہے کہ دینی تعلیم پر انگریزی تعلیم کو فوقیت دے دی گئی ہے، ایسے کتنے بچے یا بچیاں ہیں کہ وہ کبھی مکتب نہیں گئے، مدارس کا کبھی رخ نہیں کیا، جس کی وجہ سے ان کی ساری زندگی گزر جاتی ہے، مگر صحیح طرح سے قرآن مجید پڑھنا نہیں آتا، طہارت اور وضو وغسل کے مسائل معلوم نہیں ہوتے، نماز کے فرائض وواجبات، تشہد ودرود، دعائے قنوت اور دیگر ذکر واذکار ٹھیک طرح پڑھنا نہیں جانتے؛ بلکہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو دنیوی علوم وفنون کے ماہر ہیں، مگر نمازوں کی تعدادِ رکعت کا بھی انھیں علم نہیں ہے، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ مغربی تہذیب سے متأثر ہو کر ہم نے معیارِ زندگی کو بہتر اور بلند کرنے کی فکر کی ہے، آخرت کی ابدی زندگی کو بہتر بنانے اور روزِ محشر کی ہولناکیوں سے نجات کی کوئی فکر نہیں ہے، دیگر اقوام کی طرح دنیا کی چند روزہ زندگی کو ساری سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا ہے، موت کے بعد کی زندگی کا ہمیں کوئی احساس نہیں، یہ ایمان ویقین کے نہایت کمزور ہونے اور آخرت سے منہ موڑ لینے کا واضح ثبوت ہے، اور ان سب کی وجہ مدارس ومکاتب سے دوری اور ان سے بدگمانی ہے۔

اصلی علم کیا ہے؟

علم دین کا ہو یا دنیا کا وہ بہر حال انسانیت کے لیے تمغہ فضیلت اور طرۂ امتیاز ہے، لیکن اصلی علوم صرف وہی ہیں جو صرف وحیِ الٰہی کے ذریعہ اور انبیاء کی تعلیمات کے واسطے سے ظہور میں آتے ہیں، جن کے حصول کا مقصد رضائے الٰہی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ دینی علوم اور دنیاوی علوم کی تقسیم محض موضوع کے لحاظ سے ہے، اس تقسیم کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دین ودنیا میں بھی تفریق ہے، چنانچہ دنیوی علوم اگر بے ہودہ اور لایعنی نہ ہوں اور انھیں خدمتِ خلق، اصلاحِ معاشرہ اور تدبیرِ سلطنت کی نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ بھی بالواسطہ رضائے الٰہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں، اور دین ودنیا کی تفریق ختم ہو جاتی ہے، اس کے برعکس جب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد محض دنیا کمانا ہو تو یہ علوم بھی بالواسطہ دنیا کے علوم کی صف میں آجاتے ہیں، گویا اصل مدار نیت پر ہے۔ مقامِ افسوس

ہے کہ آج مسلمانوں نے اصلی علوم سے کنارہ کشی اختیار کرلی، اور محض دنیا کمانے کی فکر میں مست ہو گئے، اپنے بچوں کے روشن مستقبل کی چکر میں اپنے حقیقی مستقبل کو تاریک کرنا گوارا کرلیا، اس صورت حال سے نجات پانا بہت ضروری ہے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دینی تعلیم سے متعلق مسلمانوں کی کوتاہیوں اوران کے فاسد خیالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''پس جن کو حق تعالیٰ نے فراغت دی ہے، وہ اپنے بچوں کو پورا قرآن پڑھائیں اور جن کے دو چار لڑکے ہوں وہ ان میں سے ایک کو حافظ بھی ضرور بنائے، حفظ قرآن کی بڑی فضیلت ہے، قیامت میں حافظ کی شفاعت سے ایک بڑی جماعت کی بخشش ہوگی اوراس کے والدین کوایسا تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی سے آفتاب بھی ماند ہو جائے گا۔ اس سے اندازہ کرلو کہ خود حافظ کی کیا کچھ قدر ومنزلت ہوگی، جب اس کے والدین کی یہ عزت ہوگی، اس لیے اس دولت کو بھی ضرور حاصل کرنا چاہیے۔ مگر جن کو فراغت نہ ہو وہ سارا نہ پڑھیں، مگر کچھ تو ضرور پڑھ لیں، کتنے شرم کی بات ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کی کتاب سے بالکل ہی نا آشنا ہوں۔ افسوس آج کل تعلیم یافتہ طبقہ قرآن پڑھانے کو بالکل بیکار اور فضول سمجھتا ہے۔ چنانچہ رامپور میں ایک جنٹلمین نے اپنے دوست سے کہا کہ آپ بھی اپنے بچے کو انگریزی اسکول میں بھیجیں۔ انھوں نے کہا کہ نصف قرآن پاک اس کا رہ رہا ہے، وہ ہو جاوے تو بھیجوں۔ انھوں نے پوچھا نصف قرآن پاک کتنے روز میں ہوا ہے، وہ بولے دو سال میں۔ اس نے کہا کہ تم نے اپنے بچے کے دو سال ضائع کیے، دو سال اور کیوں ضائع کرتے ہو۔ اس مدت میں یہ ایک دو درجہ تو تعلیم کا طے کرتا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس ظالم کو یہ خبر نہیں کہ اس قرآن پڑھنے والے لڑکے نے دو سال میں نہ معلوم جنت کے کتنے درجے طے کرلیے ہیں۔ کیوں کہ قیامت میں قرآن پڑھنے والے کو حکم ہوگا کہ قرآن پڑھتے جاؤ اور چڑھتے چلے جاؤ۔ جہاں تمہارا قرآن رک جائے وہیں تم رک جاؤ۔ بس وہی تمہارا درجہ ہے۔ تعلیم یافتہ لوگوں کو تو اسکول کے درجوں کی ضرورت ہے۔ جنت کے درجوں کی کیا ضرورت ہے۔ اس لیے قرآن کریم پڑھانے کو بیکار سمجھتے ہیں۔ مگر ذرا ٹھہریں ابھی چند دن میں مرنے کے بعد بلکہ مرتے وقت ہی معلوم ہو جائے گا کہ اسکول کے درجوں کی ضرورت تھی یا جنت کے درجوں کی''۔ (خطبات حکیم الامت جلد ۷ صفحہ ۱۴۲)

مدارس ومکاتب کی حفاظت کیجیے

مسلمانوں کی علمی وعملی پسماندگی اور دینی علوم میں روز افزوں تنزلی سے ہر صاحب بصیرت پریشان ہے، اور ہر ایک نزدیک اس کے اسباب الگ الگ ہیں، کوئی قدامت کو تنزلی کا سبب بتاتا ہے، تو کوئی علوم عصریہ سے غفلت کو قرار دیتا ہے، کوئی مغربی تہذیب سے دوری کو باعث پسماندگی گردانتا ہے، جبکہ حقیقت اس کے برعکس

ہے، ہماری پسماندگی اور تنزلی کی بنیادی وجہ دینی تعلیم سے دوری ہے، کیوں کہ دینی علم کے بغیر ایمان میں صلاحیت اور عمل میں صالحیت پیدا نہیں ہوسکتی حالاں کہ یہی صلاحیت وصالحیت مسلمانوں کی ترقی کا راز ہیں، چوں کہ مدارس اسلامیہ اسی کا درس دیتے ہیں اس لیے ان کی حفاظت آج کے پرفتن دور میں بہت ضروری ہے۔ حفاظت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے بچوں کو وہاں داخلہ دلائیں، ان کی مالی مدد کریں اور ان کے لیے دعائیں کریں۔

اسلامک اسکول کا قیام

ہندوستان میں موجود عصری علوم کے اکثر ادارے اس اعتبار سے مفلوج ہیں کہ وہاں ایک مسلمان اپنے دین وایمان کی حفاظت نہیں کرسکتا، وہاں کا پورا اسسٹم غیر مسلموں اور عیسائیوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے چنانچہ بعض اسکولوں میں داخل ہوتے ہی سامنے رکھی ہوئی مورتیوں اور دفاتر میں مختلف بھگوان کی تصویریں لٹکی ہوئی ہوتی ہیں، اگر ادارہ عیسائیوں کے تعاون سے چلتا ہو تو وہاں مریم اور عیسیٰ کے مجسمے نظر آئیں گے، علاوہ ازیں وہاں نصابی کتابوں میں ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہوتی جس میں اخلاق وتہذیب کا درس موجود ہو، ایسے حالات میں اسلامی اسکولوں کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے، راقم نے ایک جگہ پڑوسی ملک کے بارے میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ "ایک مسلم ملک کے عوام کا اسلامی تعلیمات واحکام سے اس قدر بے زار ہوجانا صرف اس وجہ سے ہے کہ ہمارے ملک کا نظامِ تعلیم غیر اسلامی ذہنوں کے ماتحت ہے، جب تک اسکولوں اور کالجوں کا اسلامیا نہیں جائے گا یہی صورت حال رہے گی"۔ اس لیے اپنے ملک میں مدارس اور مکاتب کو نہ بند کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی انھیں عصریات کا مرکز بنانے کی حاجت ہے، بلکہ ان اداروں کی بقاء کے ساتھ مستقل اسلامی ادارے قائم کرنے کی ضرورت ہے، جس کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو، ایسے اداروں کی سخت ضرورت ہے جہاں بچے اور بچیوں کو ایسی تعلیم دی جائے جو فطرت سے متصادم نہ ہو، جسمانی تربیت کے ساتھ ایمانی تربیت کا نظم ہو، اس اسکول میں عصری علوم کے ساتھ دینیات کی تعلیم کا نظم ہو، تاکہ مسلمان بچے ڈگری ہولڈر کے ساتھ صاحبِ ایمان بھی ہوں، قرآن پڑھنا جانتے ہوں، نماز کے پابند ہوں اور زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کا پرچم لہرانے والے ہوں۔ آج کے اسکول کالج کی تعلیم "اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ" کا مصداق ہے، مسلمانوں کو اپنے نونہالوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لیے دامے درمے سخنے ہر اعتبار سے تیار رہنے کی فکر لے کر اٹھ کھڑا ہونا پہلے سے زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہے، حالات بہت سنگین ہیں، سنگینی کو محسوس کیا جائے۔ بقول مولانا علی میاں ندویؒ کے: آئندہ ہماری نسلیں جب ہی مسلمان رہ سکتی ہیں، جب ان کی اپنی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے ۔۔۔ دین حوادث وانقلاب کے اس دور میں بغیر صحیح تعلیم اور مستحکم تربیت کے باقی نہیں رہ سکتا۔

اصلاحی مضامین

اسلام میں نظامِ معیشت کا تصور اور سود کی معاشی و معاشرتی تباہ کاریاں

از ـ مفتی محمد عبدالحمید قاسمی *

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو" امت وسط" کا امتیازی تمغہ عنایت فرما کر اسے ایمان وعقائد، عبادات و اعمال، تمدن ومعاشرت اور اقتصاد ومعیشت غرض زندگی کے ہر شعبہ میں ایک خاص اعتدال وتوازن کی شان بخشی ہے، جو اسے تمام امتوں سے ممتاز کرتی ہے اس کا نظام معیشت رائج الوقت اور موجودہ دور کے نظاموں سے الگ تھلگ فطری اصولوں پر مبنی ایک پاکیزہ نظام ہے، اسلام کا معاشی نظام افراط وتفریط سے پاک ایک متوسط اور عادلانہ نظام ہے۔

تقسیم معیشت کا قدرتی نظام

اسلام کا معاشی نظام متوسط اور عادلانہ نظام ہے جس کی طرف قرآن کریم اشارہ کرتا ہے نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ " (الزخرف:32) یعنی دنیوی زندگی میں ان کی روزی کے ذرائع بھی ہم نے ہی ان کے درمیان تقسیم کر رکھے ہیں اور ہم نے ہی ان میں سے ایک کو دوسرے پر درجات میں فوقیت دی ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ" اس آیت نے کھول کر یہ بات بتلادی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیم معیشت کا کام (اشتراکیت کی طرح) کسی بااختیار انسانی ادارے کے سپرد نہیں کیا، جو منصوبہ بندی کے ذریعہ یہ طئے کرے کہ معاشرہ کی ضرورت کیا ہے؟ انھیں کس طرح پورا کیا جائے، وسائل پیداوار کو کس تناسب کے ساتھ کن کاموں میں لگایا جائے اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے، اس کے بجائے یہ تمام کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ہی ایسا بنادیا ہے جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعہ) غیر فطری رکاوٹیں پیدا نہ کی جائیں تو وہ نظام خود بخود یہ تمام مسائل حل کر دیتا ہے۔ (معارف القرآن: سورۃ الزخرف 32) اسی آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

* استاد جامعہ صدیقہ فیض العلم کریم نگر (تلنگانہ)

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود ایسا نظام بنایا جس کے ذریعہ ہر شخص کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے دوسرے کا محتاج بنادیا ہے اسی باہمی احتیاج کی بنیاد پر ایک شخص دوسرے کی حاجتیں پوری کرتا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں (آسان ترجمۂ قرآن: ۳/ ۱۴۹۴) بہرحال! اسلام کا معاشی نظام کہ جسمیں فرد کی ملکیت اوراس کے اختیارات تصور کو پوری طرح تسلیم کیا گیا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اس پر مناسب پابندیاں بھی عائد کی گئیں ہیں، تاکہ دولت کے تمام وسائل کا ایک جگہ ارتکاز اور ذخیرہ اندوزی نہ ہو، اس پاکیزہ نظام میں فرد و جماعت کے بجائے دونوں کے مفاد کو ایک دوسرے سے وابستہ کردیا گیا ہے، پھر اس نظام معیشت کی عادت کو ہمہ وقت استوار رکھنے کے لئے اسلام نے سخت قوانین وضع کے ہیں اوران کی خلاف ورزی پر کڑی سزائیں رکھیں ذخیرہ اندوزی اور ارتکاز دولت کی روک تھام کے لئے اس نے ہر صاحب مال کو موقع بروقت مال خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ قرآن اور حدیث کے اوراق انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل اور بخل کے رذائل سے بھرے پڑے ہیں، ہر صاحب نصاب کو زکوٰۃ وصدقات واجبہ نکالنے کا پابند کیا کہ اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں یا حقوق العباد میں خرچ کرنے کے بجائے خوب سمیٹ سمیٹ کر جمع کرتا ہے تو زکوٰۃ اور دوسرے حقوق واجبہ کی ادائیگی میں رفتہ رفتہ گھٹتے گھٹتے ایک دن یہ دولت از خود ختم ہوجائے گی۔ دوسری طرف مال کمانے میں بھی اسلام نے کسی فرد کو بے مہار نہیں چھوڑا کہ جن ذرائع سے چاہے دولت سمیٹ سمیٹ کر جمع کرے بلکہ اس کے لئے سخت ضوابط رکھے ہیں اور مال کمانے کا کوئی ایسا طریقہ روا اور جائز نہیں رکھا کہ جس میں دوسرے فرد یا جماعت کو نقصان ہو، لھذا سود، قمر، رشوت، غصب، خیانت، چوری، ڈکیتی ناپ تول میں کمی، ناجائز منافع خوری، تمام ناجائز آمدنی وغیرہ پر سختی سے قدغن لگائی، اکتساب زر اور مال کمانے کے تمام ناجائز ذرائع میں سود چونکہ سب سے بدتر اور انسانی معیشت بلکہ اخلاق و کردار کے لئے مہلک ترین ذریعہ اور معاشرتی زندگی کے لئے تباہ کن تھا اس لئے اسلام نے سب سے بڑھ کر قدغن لگائی اور اسکی تمام صورتوں کو یکسر حرام قرار دیکر سود خور کو خوفناک وعیدیں سنائیں کہ فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ (البقرۃ:279) یہ بات ہر ذی شعور شخص جانتا ہے کہ کسی کے خلاف اعلان جنگ کا کیا مطلب ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس شخص کے خلاف اعلان جنگ کرے اس کی محرومی اور بدبختی اور دنیا وآخرت کی مکمل تباہی و بربادی کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے سود کے متعلق سات آیات اور چالیس احادیث سے زیادہ میں وعیدیں بیان کی گئیں ہیں، اختصار کے ساتھ چند آیتیں جو نصوص قطعیہ ہیں ذکر کی جاتی ہے ورنہ ان کے علاوہ اور بھی کئی آیات حرمتِ سود پر صراحتاً یا اشارۃً دلالت کرنے والی ہیں مثلاً (1) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔ (النساء:29) (2) وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ (النساء:۱۶۱) ترجمہ: اور سود لیا کرتے تھے، حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے تھے۔ اوران میں سے جو لوگ کافر ہیں، ان کے لیے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (3) سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ (المآئدة:42) ترجمہ: یہ کان لگا لگا کر جھوٹی باتیں سننے والے، جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔ (4) وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ (الروم:39) ترجمہ: اور یہ جو تم سود دیتے ہو تا کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر بڑھ جائے تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے۔

سودخور کی مذمت احادیث کی روشنی میں:-

احادیث میں کہیں سودخور پر اللہ اور اس کے رسول کی لعنت آئی ہے، تو کہیں ایک سودی درہم کے استعمال کو چھتیس زنا سے بدتر بتایا ہے، کہیں سلب ایمان کی وعید ہے تو کہیں جہنم کا ایندھن ہونا واضح کیا گیا، کہیں مہلک ترین گناہوں میں اُسے شمار کیا تو کہیں اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر قرار دیا، کہیں مال میں بے برکتی کہا گیا تو کہیں خون کی نہر میں فرشتہ کا اس کے منہ پر پتھر مارنا ذکر کیا گیا، کہیں قیامت میں مجنون اور مخبوط الحواس ہو کر اٹھایا جانا جیسی سخت وعیدیں ذکر فرمائی ہیں۔

سود کے اخلاقی ومعاشرتی نقصانات:-

سود کے حرام ہونے کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ وہ تمام اخلاقی قدروں کو پامال کر کے خود غرضی، بے رحمی، سنگ دلی، کنجوسی، مفاد پرستی، زرطلبی، دنیا طلبی، آخرت سے بیزاری، طمع ولالچ، گالی گلوچ، ظلم، ناانصافی، قساوت قلبی، زراندوزی کا جزبہ، ناجائز کمانے کی حرص، ہوس گیری، بغض وعداوت اور حسد جیسی مہلک صفات کو پیدا کرتا ہے، اس کے برعکس اسلام ایک ایسے صحت مند معاشرہ کی تعمیر کرنا چاہتا ہے جو رحم وکرم، محبت ومودت ایثار تعاون اور بھائی چارے کی بنیاد پر قائم ہو، جس میں تمام انسان مل جل کر زندگی گزارے ایک دوسرے کے کام آسکے۔ غریبوں کی امداد کریں، دوسرے کے نفع کو اپنا نفع اور دوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھے اور اس کے برخلاف سودی نظام جس ذہنیت اور سوچ کو جنم دیتا ہے اس میں ان اخلاقی اوصاف کی کوئی جگہ نہیں ہے، نیز ایک دنیادار انسان مال ودولت کے انبار اور جائداد اس لئے جمع کرتا ہے کہ اسے دنیا کا اطمینان اور سکون حاصل ہو اور سماج اور معاشرہ میں عزت اور باوقار زندگی بسر کر سکے، لیکن سودخور ظاہری مال ودولت کی فراوانی کے باوجود

سماج و معاشرہ میں کوئی بھی اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ نیز سود خور کی ظاہری خوشحالی سے دھوکا نہ کھائیں اس لئے کہ سامان راحت اور راحت میں بڑا فرق ہے کیونکہ سود خور کے پاس سامان راحت تو موجود ہے مگر حقیقی راحت جو ایک ایسے روحانی اطمینان اور قلب و دماغ کے ایک ایسے سکون کا نام ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صورت میں براہِ راست انسان کو عطا ہوتا ہے، جس سے سود خور محروم رہتا ہے۔ ملت پر سود خور کا ایک بہت بڑا ظلم یہ ہے کہ بسا اوقات اپنے دولت کے بل پر پسماندہ اور غریب طبقہ کے جسم و جان سے کھیلتے ہیں جس کی وجہ سے بسا اوقات غریب دل برداشتہ ہو کر خودکشی کر لیتا ہے تو کبھی اپنی عزت کو داؤ پر لگا کر چور اور ڈاکو بننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا اس لئے کہ اس سے انسان کے اندر رذائل پیدا ہوتے ہیں تجارت کو حلال قرار دیا، کیونکہ اس سے محنت و مشقت، اکل حلال و دیانت جیسی صفات عالیہ کو فروغ ملتا ہے، اسی لئے قرآن کریم میں سود کو تباہ کن اور تجارت کو ترقی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، سود خوری کے یہ طریقے دنیا میں نئے نہیں ہے، بلکہ اسلام کے ظہور سے پہلے بھی یہ سلسلہ جاری تھا لیکن آج کے دور میں اس بدترین فعل کو اس قدر عام کر دیا گیا کہ ہر گلی محلہ میں فائنانس کے نام پر باقاعدہ سودی کاروبار چل رہا ہے اور سود خور سود پر پیسہ دینے کے لئے بڑے بڑے دفتر کھولے بیٹھے ہیں بلکہ بیمہ (انشورنس) کمپنیاں تو خصوصی فون کال کر کے انعامات کا لالچ دیکر بلاتے ہیں، پھر انشورنس کرانے کی ترغیب دی جاتی ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی اس میں ملوث ہے اور کم عقلی کی وجہ سے سود کو معاشیات و اقتصادیات اور تجارت کے لئے ریڈھ کی ہڈی سمجھنے لگے ہیں جبکہ یہ مسلم معاشرہ کے لئے دیمک کی حیثیت رکھتا ہے، جو انسان کو اور معیشت کو بالکل کھوکھلا کر کے رکھ دیتا ہے۔ **سود کی مثال:۔** حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں سودی مال کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سود خور کا مال اگرچہ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے مگر وہ بڑھنا ایسا ہے جیسے کسی انسان کا بدن ورم وغیرہ سے بڑھ جائے ورم کی زیادتی بھی تو بدن کی زیادتی ہے مگر کوئی سمجھ دار انسان اس زیادتی کو پسند نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ زیادتی موت کا پیغام ہے اسی طرح سود خور کا مال کتنا ہی بڑھ جائے مگر مال کے فوائد و ثمرات یعنی راحت و عزت سے محروم رہتا ہے۔ **سود اور تجارت میں فرق:۔** سود اور تجارت میں فرق یہی ہے کہ ایک فریق سراسر فائدہ میں ہے اور دوسرا فریق خسارہ میں یا ایک فریق یقینی فائدہ اٹھا رہا ہے اور وہ فائدہ متعین بھی ہے جبکہ دوسرے فریق کا نفع غیر یقینی اور غیر متعین ہے غرض سود ایک لعنت ہے جو افراد اور اقوام کی معیشت کے لئے غارتگر اور انسان اقدار کے لئے سم قاتل ہے۔ **سود کا معاشی نقصان:۔** عام خلق خدا اور پوری ملت فقر و فاقہ اور معاشی بحران کا شکار ہوگی اور وہ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جائیں گے اور چند سرمایہ دار اور مالدار ہی ملت کے مال

سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، جبکہ اسلام ہرگز ایسے عمل کو مفید اور درست قرار نہیں دیتا۔معاشیات کے نقطۂ نظر سے سودی قرض دو قسم کا ہوتا ہے،ایک وہ قرض جو اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لئے لیا جاتا ہے اس کو "مہاجنی" سود بھی کہتے ہیں۔دوسرا وہ قرض جو تجارت صنعت وحرفت اور زراعت وغیرہ کاموں پر لگانے کے لئے جاتا ہے اس کو" تجارتی سود" بھی کہتے ہیں،موجودہ دور میں سود کے لئے بجائے شخصی دکانوں کے مشترک کمپنیاں بنادی گئی ہیں جن کو بینک کہا جاتا ہے جو عوام اس طریقۂ تجارت کو نہیں جانتے یا قلت سرمایہ اور مال کے کم ہونے کی وجہ سے نہیں کر سکتے ان سب کا روپیہ بینکوں میں جمع ہوکر ہر ایک کو کچھ نہ کچھ رقم سود کے نام سے ملتی ہے اور بڑے تاجروں سے یہ موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ بینکوں سے سود قرض لے کر تجارت میں فائدہ حاصل کرے اور چھوٹے سرمایہ والے کا اس میں داخل ہونا بہت مشکل ہے کیوں کہ بڑا قرض اسی کو دیتی ہے جس کی شہرت اور بڑا کاروبار ہو، اگر بالفرض چھوٹے سرمایہ والا سودی قرض پر فائدہ اٹھائے بھی تو وہ اپنی ضروری اخراجات کے لئے کافی نہ ہوگا ادھر کاروباری منڈی اور مارکیٹ میں بڑے سرمایہ والے کو جس نرخ اور رعایت کے ساتھ ملتا ہے وہ چھوٹے سرمایہ والے کے ساتھ معاملہ نہیں ہوتا بالآخر چھوٹے سرمایہ والا مفلوج اور محتاج ہوکر رہ جاتا ہے اگر کوئی چھوٹے سرمایہ والا کسی طرح فائدہ حاصل کرلے تو پھر اب اس کی خیر نہیں رہتی، بڑے سرمایہ والے اپنا نقصان اٹھا کر بھی بازار کو ایسا ڈاؤن کر دیتا ہے کہ چھوٹے سرمایہ والا اصل اور نفع دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہی کہ تجارت بڑے سرمایہ اور مالدار اور چند افراد میں محدود ہوکر رہ جاتی ہے۔سب سے بڑا نقصان جس کی زد میں پورا ملک آجاتا ہے یہ ہے کہ ایسی صورت میں اشیاء کی نرخ پر ان بڑے سرمایہ داروں کا قبضہ ہو جاتا ہے تو گراں سے گراں فروخت کرتے ہیں اور جب چاہیں قیمت بڑھانے کے لئے سامان کی فروخت بند کردیتے ہیں جس کا نتیجہ ہزاروں حاجتمندوں کی روزی پر پڑتا ہے۔اگر کوئی شخص بینک سے سودی قرض لیکر تجارت میں نقصان اٹھاتا ہے تو نقصان اس پر صرف دس فیصد پڑتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ سرمایہ دار کو جب تک نفع ہوتا رہا تو وہ نفع کا تنہا مالک تھا اس ملت کے لئے کچھ نہ تھا اور جب نقصان آگیا نوے فیصد پوری ملت پر پڑ گیا۔ بینکوں کا سود اور اس کی تجارت پوری انسانیت کے لئے فقر وفاقہ معاشی وتنگدستی کا موجب ہے لاکھوں افراد کے افلاس، بے روزگاری، ملکی صنعت، تجارت، زراعت ودیگر کاروبار زندگی کو کس حد تک مفلوج کردے گی یہ حقیقت محتاج بیان نہیں۔قرآن وحدیث کی روشنی کے مطابق سود کے مال میں آفتیں آنا لازم ہے تو ان آفتوں سے بچنے کے لئے بیمہ (انشورنس) دوسرے سٹہ کا بازار کیوں کہ کے تجارت میں نقصان آنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں، آسمانی آفت کہ جہاز ڈوب گیا دوسرے یہ کہ سامان کا نرخ اس کی قیمت خریدی سے کم ہوگئی ان دونوں

صورتوں میں لگا ہوا سرمایہ چونکہ اپنا نہیں ہے بلکہ ملت کا مشترکہ سرمایہ ہے اس لئے ان کا نقصان کم اور ملت کا زیادہ ہے مگر انھوں نے اس تھوڑے سے نقصان کو بھی ملت کے سر پر ڈالنے کے لئے ایک طرف بیمہ کمپنیاں کھولیں جس میں بینکوں کی طرح ملت کا پورا سرمایہ جمع رہتا ہے اور جب کسی سماوی آفت سے ان سودخوروں پر کوئی نقصان آتا ہے تو بیمہ کے ذریعہ وہ پورا نقصان بھی ملت کے مشترکہ سرمایہ پر ڈال دیتے ہیں نتیجہ یہ کہ بیمہ (انشورنس) اور اس جیسی کمپنیاں معیشت کی تباہی کا اور زیادہ سبب بن رہی ہیں، حکومتوں نے اس متحدہ اور خرابی کو محسوس کیا اور اس کا علاج یہ تجویز کیا کہ بڑے سرمایہ داروں کے لئے انکم ٹیکس کی شرح حد سے زیادہ بڑھادی گئی تاکہ سرمایہ ان سے منتقل ہوکر پھر قومی خزانے میں پہنچ جائے، لیکن سب کو معلوم ہے کہ اس قانون کے نتیجہ میں عام طور پر کارخانوں کے حساب فرضی اور جعلی بننے لگے اور بہت سا سرمایہ حکومت سے چھپانے کے لئے دفینوں کی شکل میں اور سارا کالا دھن اور بلاک منی ورلڈ بینک میں منتقل ہونے لگی جس کی وجہ سے قومی خزانے اور معیشت ہی کو دھکا نہیں لگا بلکہ پورا ملک اور سارا عالم پوری انسانیت اس سے متاثر ہورہی ہے۔ معیشت کی زبوں حالی کے لئے کیا یہی کم تھا مزید اس پر یہ کہ اب چند بڑے نامور سرمایہ داروں کا صرف تجارتی اور کاروباری منڈیوں تک ہی قبضہ محدود نہ رہا ہے بلکہ حکومت اور سیاست میں بھی ان کی دخل اندازی ہوچکی ہے، اب حکومتیں اور سیاسی راہنما بھی کٹ پتلیوں کی طرح اشارہ پر ناچ رہے ہوں تو پھر ظاہر سی بات ہے کہ اب معیشت کی تباہی وخرابی اور نقصان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بس اب اللہ تعالیٰ ہی نگہبان ہے۔

خلاصۂ کلام:۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے وہ مخلوق کی بہتری کو سب سے بہتر جانتا ہے لہٰذا مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ ظاہری، باطنی، معقول اور غیر معقول ہر حکم کو صدق دل سے مانتے ہوئے شکوہ، شکایت چوں چرا کے بغیر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات وھدایات کے سر تسلیم خم کردے، لہذا جب شریعت نے سود کو حرام قرار دیا ہے تو بحیثیت مسلمان وہ فانی دنیا کی دولت ومنافع کو معمولی، حقیر اور کمتر سمجھے اور اس کے مقابلہ میں آخرت کی دیرپا اور ہمیشہ والی زندگی کو سب کچھ جانے اور یہی مقصود الٰہی بھی ہے، الغرض سود اور سود پر مبنی تمام صورتیں، شکلیں، اسکیمات اور سود سے ملنے والے تمام منافع اور آمدنی نہ صرف اپنی ذات اور ملت کا بلکہ پوری انسانیت کا اخلاقی، روحانی اقتصادی ہر اعتبار سے عظیم نقصان اور خسارہ ہے اس لئے سود اور سود پر مبنی صورتوں سے خود بچیں اور دوسروں کو بچائیں، جس کی برکت سے ان شاء اللہ معاشرہ میں انقلاب پیدا ہوگا اور ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ تیار ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری امت کو سود و ناجائز امور اور حرام آمدنی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

لمحہ فکریہ

توہینِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات اور لمحۂ فکریہ

مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگر *

چند ماہ قبل بی جے پی کی اہم رُکن اسپوک پرسن نوپور شرما نے ایک ٹی وی ڈیبیٹ کے دوران رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی حرم محترم ام المومنین حضرت عائشہؓ کے تئیں ایسے اہانت آمیز الفاظ کہے تھے جس سے نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں کو بڑی کوفت پہنچی تھی پھر بین الاقوامی سطح پر مظاہروں اور احتجاجات کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ اتنا ہوا کہ پارٹی نے اس ملعون عورت کو اپنی جماعت سے برطرف کردیا، حالانکہ ہندوستان میں دوسری بڑی شہریت مسلمانوں کی ہے، مسلمانوں کے مذہبی اقدار اور ملی احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے جو سزا اس کو ملنی تھی بالکل بھی نہیں ملی، حتیٰ کہ اس کو اریسٹ کیے بغیر الٹا پروٹیکشن دیا گیا، اس المناک واقعے نیز حکومت کے ناروا رویہ سے ابھی مسلمانوں کے دلوں پر غم کے اثرات تازہ ہی تھے کہ کچھ یوم قبل 22 اگست 2022 کو رات 11 بجے شہر حیدرآباد کے محلۂ گوشہ محل کے بھاجپہ ہی کے ایک اَور لوک سبھا ممبر راجہ سنگھ نے ــــ جو پہلے سے ہی اپنی اسلام دشمنی اور شر پسندی میں بدنام زمانہ ہے ــــ ایک بیانیہ ویڈیو کلپ جاری کیا، جس میں اس نے رحمت للعالمین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جس قدر ہفوات بکی ہیں اور امہات المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت زینبؓ نیز آپ کی ازدواجی زندگی اور متبنیٰ رسول حضرت زیدؓ کے بابت جو گستاخانہ کلمات کہے اور جو ناشائستہ زبان استعمال کی اس سے پرانا زخم تازہ اور رنجیدہ قلوب مزید افسردہ ہو گئے، ستم بالائے ستم یہ کہ اس قدر شر افزا اور انتشار برپا کرنے والے بیانات کے باوصف ایسے مجرم سزا یاب ہونے کے بجائے تحفظ میں ہیں، ملک کے باعزت شہریوں کو جمہوری حقوق سے محروم کرنا، اُن کے مذہب اور مذہبی شخصیات پر کیچڑ اُچھالنا، اور اِن واقعات پر سیکولر ہونے کے دعوے دار اربابِ اقتدار کا چُپ رہنا، اِن مجرموں کے خلاف سخت کارروائی نہ کرنا اور عدلیہ کا شہریوں کے مذہبی اقدار کے تحفظ پر موثر قانون سازی نہ کرنا ، انصاف اور جمہوریت کو بڑی بے آبروئی اور رسوائی کے ساتھ کوئے یار سے باہر نکالنے کے مترادف ہے۔

---

* استاد شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

قرابت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقاضے:

امت مسلمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو نسبت حاصل ہے اس کو بیان کرتے ہوئے باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:"النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجه امھاتھم" (الاحزاب رقم الآیۃ ٦) ترجمہ: نبی ایمان والوں کے لیے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں،اور ان کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں؛ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو جتنی بھی قرابتوں اور نسبتوں سے واسطہ پڑتا ہے ان میں سب سے اقرب اور سب پر مقدم وہ تعلق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ قائم ہے حتی کہ خود ایک ایمان والے کو اپنی ذات سے اس قدر قرب و تعلق نہیں جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات سے ہے، چنانچہ مفسر قرآن حضرت مفتی شفیع صاحب عثمانیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین سے تو ان کے نفس اور ذات سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں کیونکہ انسان کا نفس تو کبھی اس کو نفع پہنچاتا ہے اور کبھی نقصان، کیوں کہ اگر نفس اچھا ہے اچھے کاموں کی طرف چلتا ہے تو نفع ہے اور اگر برے کاموں کی طرف چلنے لگے تو خود اپنا نفس ہی اپنے لئے مصیبت بن جاتا ہے، بخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ آپ کی تعلیم نفع ہی نفع اور خیر ہی خیر ہے، اور اگر اپنا نفس اچھا بھی ہو اور نیکی ہی کی طرف چلتا ہو پھر بھی اس کا نفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفع کے برابر نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کو تو خیر و شر اور مصلحت و مضرت میں مغالطہ بھی ہوسکتا ہے، اور اس کو مصالح و مضار کا پورا علم بھی نہیں، بخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ آپ کی تعلیمات میں کسی مغالطہ کا خطرہ نہیں اور جب نفع رسانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری جان اور ہمارے نفس سے بھی زیادہ ہیں تو ان کا حق ہمارے اوپر ہماری جان سے زیادہ ہے اور وہ حق یہی ہے کہ آپ کے ہر کام میں اطاعت کریں اور آپ کی تعظیم و تکریم تمام مخلوق سے زیادہ کریں۔ (معارف القرآن ۷/ ۱۰۰-۱۰۱)

پھر آگے آیت میں فرمایا گیا "وازواجه امھاتھم" یعنی جس طرح آپ علیہ السلام روحانی باپ ہونے کے سبب ہمارے اپنے حقیقی باپوں بلکہ خود ہماری اپنی ذاتوں سے زیادہ محترم و مقرب ہیں تو اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی ادب و احترام اور رابطہ و تعلق میں ہماری اپنی ماؤں کی طرح ہیں، جس طرح انسان اپنے یا اپنے والدین کے کیریکٹر پر داغ نمائی سے برگشتہ اور برافروختہ ہوجاتا ہے اس کو بالکل اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ غضب ناک اور کبیدہ خاطر ہونا چاہیئے جب کوئی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ کے ازواج کی شان اقدس میں دریدہ دہنی کرے، اور ان کے نظیف و پاک ناموس کو داغدار کرے۔

ناموس رسالت اور عصمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا حساس و نازک ترین مسئلہ ہے جس سے تمام عالم کے مسلمانوں کی روحیں جڑی ہوئی ہیں، ایک سچا مسلمان اور محب صادق اپنی جان دینا گوارا کرسکتا ہے، مگر شان

نبوت کی حرف برابر تنقیص کا ہر گز تحمل نہیں کرسکتا، ایک مرتبہ امام دارالہجرہ حضرت امام مالکؒ سے خلیفہ ہارون رشید نے پوچھا کہ اگر دنیا میں کہیں شان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گستاخی ہوجائے تو ایسے وقت میں امت مسلمہ کو کیا کرنا چاہیے؟ میں نے سنا ہے کہ اہل عراق نے اس کو کوڑے لگانے کا فتویٰ دیا ہے، حضرت امام مالک نہایت غضبناک ہوگئے اور شدت جذبات اور وفور عشق میں ایسا ہوش ربا اور عشق افزا جملہ کہا جسے ہر امتی کو اپنے دل میں ثبت کرلینا چاہیے، فرمایا: ما بقاء الامة بعد شتم نبیھا؟ من شتم الانبیاء قتل؛ یعنی نبی کو گالی دی جائے اور امت کوئی کارروائی نہ کرے تب تو اس کو جینے کا کیا حق ہے، مرجانا چاہیے، سنو! جو شخص نبی کو گالی دے اس کو قتل کردینا چاہیے۔ (کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ،۵۴۰ /۲)

یقیناً ایسا ہی ہے کہ آپ علیہ السلام کی ذات مبارکہ کو مجروح کیا جاتا رہے، ازواج مطہرات کے بارے میں ہفوات بکی جانے لگے اور ہماری رگ حمیت نہ پھڑکے، ہم بے حسی کے ساتھ حسب معمول زندگی بسر کرنے لگے، خواب خرگوش کے مزے لیتے رہیں، تو ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے، سوچنا چاہیے کہ کس قدر اسفل درجہ ہماری ایمانی کیفیت کا ہے، ہماری ایمانی غیرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت ونسبت کا تقاضہ ہے کہ حالیہ پیش آمدہ واقعات کے پیش نظر ہم ملعون گستاخوں کے خلاف جمہوریت کا لحاظ رکھتے ہوئے اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے آواز اٹھائیں، اعداء اسلام کو کسی بھی طرح کا موقع فراہم کیے بغیر اہلِ حکومت اور عدلیہ پر پریشر ڈالیں کہ اِن کے خلاف کوئی سخت کاروائی کرے بلکہ عالمی پیمانے پر مسلمانوں کے دلوں کو ٹھیس پہنچانے والے اس سنگین مسئلے پر قتل کی کڑی سزا کا قانون بنانے کا مطالبہ کریں تاکہ پھر کبھی کسی بدبخت دشمنِ خدا کو اس کی ہمت تو کیا خیال بھی نہ آئے۔

ایک ضروری انتباہ

غور طلب بات اور ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ یہ ہے کہ پچھلے کچھ دنوں سے برسراقتدار پارٹی ہماری ریاست تلنگانہ میں ہندو مسلم نفرت کا کھیل کھیل رہی ہے مذہبی جذبات کو ابھار کر ہندوؤں اور مسلمانوں میں انتشار وتفریق ڈالنا چاہتی ہے اسی بنیاد پر مکمل کوشاں ہے کہ وہ ایسا حربہ اختیار کرے جو مسلم طبقے میں آتش زنی کا کام کرے اور ایسا فساد برپا ہو کہ ہندو مسلم دو حصوں میں تقسیم ہوجائیں، مسلمانوں کو سب سے زیادہ برانگیختہ کرنے والا موضوع ناموس رسالت سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا جس کا انہوں نے ماضی قریب میں بھی مشاہدہ وتجربہ کیا ہے چنانچہ گستاخِ رسول کا حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو داغدار کرنے والا اسٹیٹمینٹ دنیا کے سامنے آیا، نتیجہ یہی ہوا کہ حیدرآباد کے ہندو مسلم مذہبی ایموشنس کی بنا پر مشتعل ہوئے ہیں، ایسے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمان ہوش کے ناخن

لیں، مذہبی منافرت کو بڑھنے نہ دیں اور مستقبل کے لئے مضبوط لائحہ عمل تیار کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے نوجوان فرط جذبات میں کوئی ایسی حرکت کردیں جس کا خمیازہ خود ملت کو بھگتنا پڑے، ان کشیدہ حالات کے پیش نظر تلنگانہ وحیدرآباد کی عوام کو مشورہ دیتے ہوئے شہر کے موقر و بااثر عالم دین حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب متعنا اللہ بطول حیاتہ نے اپنے زرخیز سلسلۂ اشرف المعارف نمبر 202 میں ایک بہترین اور قیمتی بات بیان فرمائی ہے، لکھتے ہیں: ''ریاست کے مسلمانوں سے دست بستہ عرض ہے کہ جذبات کو قابو میں رکھیں، قانون کو ہاتھ میں نہ لیں جواب میں بدزبانی یا ان کے بڑوں کی اہانت نہ کریں، اسلامی تعلیمات کو ملحوظ رکھیں، ایک جاہل بے تہذیب شخص کی بدزبانی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت دارین کو نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر ہماری ناعاقبت اندیشی اس کا سر اور اونچا کردے سکتی ہے، حلم وصبر کے ساتھ قانون کا راستہ اختیار کریں ورنہ اس کا تو کچھ نہ بگڑے گا مگر قانون شکنی اور نقض امن کا ٹھیکرا بھی ہمارے ہی سر پھوڑا جائے گا۔

دعائے مغفرت

قارئینِ ماہنامہ اشرف الجرائد کو نہایت افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ: جنوبی ہند کی ریاست تمل ناڈو کے مشہور و معروف عالم دین، عارفِ کبیر، امیر شریعت و شیخ طریقت سعید الملت حضرت مولانا مفتی قاضی سعید احمد صاحب پرنامبٹی رحمہ اللہ ۲۸ / اگست ۲۰۲۲ء م ۲۹ / محرم الحرام بروز یکشنبہ اس دار الفناء سے دار البقا کی طرف رحلت فرما گئے، **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کے فرزند کبیر، خلف الرشید اور حضرت محی السنہ شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ کے خلیفہ و جانشین تھے، اپنے اکابر کے نقش قدم پر اتباع سنت میں زندگی بسر فرمائی اور سینکڑوں مریدین واہل تعلق کی اصلاح و تربیت کا فریضہ ادا فرماتے رہے جن میں عوام الناس سے لے کر وقت کے بڑے بڑے علماء نے تک آپ سے کسب فیض کیا ہے۔ اللہ پاک اہل وعیال، اصحابِ تعلق جملہ متعلقین و مسترشدین و فیض یافتگان کو صبر جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے، اور انھیں اپنے محبوب، استاذ، شیخ و مربی کی حیات کو مشعل راہ بنانے کی سعادت بخشے، اور متعلقین میں کسی صاحبِ قلم کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی حیات وخدمات کو قید تحریر میں لا کر امت کے سامنے لانے کا شرف عطا فرمائے، آپ کی جملہ حسنات کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین، قارئین سے بھی دعائے مغفرت وایصالِ ثواب کی گذارش ہے۔

افاداتِ اکابر

اصلاحِ ظاہر و باطن سے متعلق

اکابر کے چند زریں ارشادات

ترتیب وپیشکش: حضرت مولانا مفتی محمد ارشد صاحب مدظلہٗ*

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا: مجاہدات وریاضات کے بعد اگر یہ بات حاصل ہوجائے کہ ہم کو کچھ حاصل نہ ہوا تو بس سب کچھ حاصل ہوگیا۔

فرمایا: تمام اذکار واشغال ومراقبات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی حضوری ہر وقت میسر رہے۔

فرمایا: وہ شخص جو شریعت کا تابع ہو اگرچہ اس کے قلب میں نور نہ ہو مگر اس شخص سے بہتر ہے جس کے قلب میں نور معلوم ہوتا ہو؛ مگر وہ خلاف شرع ہو۔

اپنے استاذ حضرت شاہ عبدالغنی ؒ کا مقولہ نقل فرمایا: جس قدر اپنے نفس سے دوری ہے اسی قدر قرب حق تعالیٰ حاصل ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا: کوئی شخص کیسا ہی پرہیزگار کیوں نہ ہو، کتنے ہی کشف وکرامات اس سے ظاہر ہوں، لوگوں کے قلوب میں تصرف کرسکتا ہو، مگر ہو اس کے دل میں غرور؛ بس سمجھ لو کہ اسے کچھ نہیں آتا۔

ایک بزرگ کا نام لے کر فرمایا: کہ ان کے پاس ایک شخص مدتوں رہا اور پھر شکایت کی کہ قلب کی حالت درست نہیں ہوئی، شیخ نے دریافت فرمایا کہ میاں درستی سے تمہارا کیا مقصود ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت جو نعمت آپ سے ملے گی وہ آپ سے لیکر دوسروں کو پہنچاؤں گا۔

شیخ نے فرمایا: بس اسی نیت کی تو ساری خرابی ہے، کہ پہلے سے پیر بننے کی ٹھان رکھی ہے، اس بیہودہ خیال کو جی سے نکال دو، اور یوں خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں طرح طرح کی نعمتیں دی ہیں ان کا شکر اور بندگی ہم پر فرض ہے، بس جو لوگ اس امید پر ذکر شغل کرتے یا نماز پڑھتے ہیں کہ ہمیں اس کا نفع ملے یہ ان کی حماقت ہے، ان کی نیت میں فساد ہے، کیسا نفع، کہاں کا اجر؟ یہ ہستی، یہ جسم، یہ آنکھیں، یہ ناک، یہ کان، یہ زبان، یہ حواس جو حق تعالیٰ نے ہمیں دے رکھے ہیں پہلے ان کے شکریہ سے تو فراغت ہولے جب دوسرے نفع اور اجر کی توقع رکھے

* مہتمم مدرسہ جامعۃ الابرار بجھیڑی، مظفرنگر، یوپی

فرمایا کرتے تھے: مجھ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سخت تاکید بیعت کرنے کی ہے، اس لیے کر لیتا ہوں، ورنہ جی اندر سے نہیں چاہتا۔

تحریر فرمایا: ہائے ہائے دنیا کیا ناپائیدار جائے (جگہ) ہے اور ہم کو کس قدر غفلت ہے۔

فرمایا: آدمی جس قدر قوت کسی کی برائی میں صرف کرے اتنے وقت اگر اللہ اللہ کرے تو کتنا نفع ہو۔

ایک صاحب کی غلطی پر فرمایا: کیوں قصہ پھیلایا ہے؟ گناہ ہو گیا ہے توبہ کر لو۔

فرمایا: کبھی بھی کسی سے بھی کسی قسم کی بھی توقع مت رکھنا، یہاں تک کہ مجھ سے بھی یہ بات دین و دنیا کا گُر ہے۔ کوئی لمبے چوڑے چندہ کی فہرست لے کر آتا تو فرماتے: میاں کیوں لوگوں کے پیچھے پڑتے ہو، مسجد یا مدرسہ بنانا ہی ہے تو کچی دیواریں اٹھا کر بنالو، اگر وہ کہتا کہ حضرت کچی دیواریں گر جائیں گی تو فرماتے کہ میاں پکی بھی آخر گریں گی، تو جب گر جائیں گی دوسرا بنادے گا تم قیامت تک کا بندوبست کرنے کی فکر میں کیوں پڑے ہو؟

فرمایا: ہم کو مدرسہ مقصود نہیں، رضائے حق مقصود ہے اور نااہل کو (مدرسہ کا) ممبر بنانا معصیت ہے جو خلافِ رضائے حق ہے، اس لیے ہم اپنے اختیار سے ایسا نہیں کریں گے۔

استفادۂ باطنی کا ایک گر!

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

شیوخ کاملین سے استفادہ اور باطنی ترقیات میں اس کو بڑا دخل ہے کہ ان کی خدمات کی تکمیل اور ان کے ذوقی مشغلے میں (جو ان کو دل وجان سے عزیز ہوتا ہے) تندہی، خود فراموشی اور جان کاہی سے رفاقت و اعانت کی جائے۔

اہل بصیرت کے نزدیک ایک مسترشد کو اس سے اپنے شیخ کی جو محبوبیت و اعتماد حاصل ہوتا ہے اور اس سے جو باطنی ترقیات حاصل ہوتی ہیں اور جس سرعت کے ساتھ سلوک کے مدارج طے ہوتے ہیں وہ عام طور سے کسی اور راہ سے اور بعض اوقات بڑے بڑے مجاہدات سے بھی نہیں ہوتے۔

نہ ذکر و وِرد میں، نَے جبّہ و دستار میں ہے
جو بات شیخ کی نگاہِ پیار میں ہے
(نادمؔ)

افاداتِ اکابر

میراث تقسیم نہ کرنے کے نقصانات

میراث تقسیم نہ کرنے اور مستحقین کو محروم رکھنے کے کئی خطرناک پہلو ہیں جن میں میراث کھانے والے مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ درج ذیل ہیں۔

ا۔ میراث کو قرآن وسنت کے مطابق تقسیم نہ کرنا اور دیگر وارثوں کا حق مارنا کفار یہود نصاریٰ اور ہندوؤں کا طریقہ ہے۔

۲۔ میراث کا شرعی طریقے پر تقسیم نہ کرنا اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے۔ یہ صریح فسق ہے لہذا ایسا شخص فاسق ہے۔ خاص طور پر برسہا برس اس پر امر کرنا اور توبہ نہ کرنا تو اور بڑا گناہ اور اللہ تعالی سے بغاوت ہے۔

۳۔ میراث کے حق داروں کا مال کھا جانا ظلم ہے اور یہ شخص ظالم ہے لیکن اگر وارث اپنے قبضے اور تحویل میں لے لیں اور پھر کوئی طاقت ور وارث چھین لے تو یہ غصب ہوگا اس کا گنا ظلم سے بھی زیادہ ہے۔

۴۔ میراث پر قبضہ کرنے والے کے ذمہ میراث کا مال قرض ہوگا۔ اور قرض واجب الادا ہے۔ اگر کوئی دنیا میں ادا نہیں کرے گا تو آخرت میں لازما دینا ہوگا۔

۵۔ ایسا مال جس میں میراث کا مال شامل ہو اس سے خیرات وصدقہ اور تقرب کے طور پر انفاق کرنا حج وعمرہ کرنا اگرچہ فتوی کے لحاظ سے جائز ہے اور اس سے حج کا فریضہ ادا ہو جائے گا لیکن ثواب حاصل نہیں ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالی پاک وطیب مال قبول کرتا ہے۔

۶۔ جو میراث کا مال کھا جاتا ہے اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

۷۔ میراث شریعت کے مطابق تقسیم نہ کرنے والا دوزخ میں داخل ہوگا۔

۸۔ جو اشخاص میراث کا مال کھا جاتے ہیں تو حق دار وارث ان کو بددعائیں دیتے ہیں۔

۹۔ میراث مستحقین کو نہ دینے والا حقوق العباد تلف کرنے کا مجرم ہے۔ (ماخوذ از: آج کا سبق)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی ندیم الدین قاسمی*

کلمہ طیبہ کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا

سوال: کیا کلمہ طیبہ کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پڑھنا جائز ہے؟

جواب: کلمہ تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی ہے؛ لیکن چوں کہ آں حضرت ﷺ کا جب بھی اسم گرامی لیا جائے تو اسی پر درود شریف پڑھنا احادیث سے ثابت ہے، اس لئے اگر کلمہ طیبہ کے بعد ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پڑھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں؛ البتہ اس میں یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہتے وقت لہجہ کچھ بدل لیا جائے تاکہ کلمہ پر اضافہ کا شبہ نہ ہو۔ (فتاویٰ عثمانی: ۱/ ۵۵)

عملیات کے ذریعہ کسی کو مجرم سمجھنا

سوال: عملیات کے ذریعہ کسی کو مجرم سمجھنا کیسا ہے؟

جواب: عملیات کے ذریعہ متہم چور یا مجرم کو واقعتا چور یا مجرم سمجھنا بالکل ناجائز اور بدگمانی ہے، ایسے عملیات سے اجتناب کرنا چاہئے؛ کیوں کہ اس سے عقائد فاسد ہوتے ہیں، اور تہمت و بہتان کا بھی دروازہ کھلتا ہے؛ لہذا اس کے ذریعہ سے کسی کو چور قرار دے کر زبردستی مال وصول کرنا، اس کو گرفتار کرنا، اور اس کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۱/ ۷۶)

تعویذ کے ذریعہ علاج کرنا

سوال: کیا تعویذ کے ذریعہ علاج کرنا جائز ہے؟

جواب: تعویذ کے ذریعے علاج کرنا شرعا جائز ہے؛ بشرطیکہ تعویذ میں جو کلمات لکھے جائیں، ان کے معنی معلوم ہوں، اور ان میں کوئی بات مشرکانہ نہ ہو، اور ان تعویذات کو بذات خود مؤثر نہ سمجھا جائے۔

(فتاویٰ عثمانی، ۱/ ۲۷۸)

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

اسم اعظم سے کیا مراد ہے؟

سوال: اسم اعظم سے کیا مراد ہے؟

جواب: اسم اعظم بعض حضرات نے "یا حی یا قیوم" کو کہا ہے، بعض نے "لا الہ الا ھو الحی القیوم" کو، بعض نے "رب رب" کو بعض نے "اللہ" کو، بعض نے "لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین" کو اور یہ تمام، دعا کی قبولیت کے لئے مجرب ہیں؛ البتہ اسم اعظم کے بارے میں محققین کی تحقیق یہ ہے کہ کسی ایک اسم اعظم کو معین طور پر اسم اعظم کہنا مشکل ہے۔ (فتاویٰ عثمانی: ۱/ ۲۸۱)

والدین واساتذہ کے لئے تعظیماً کھڑا ہونا

سوال: کیا والدین یا اساتذہ کے لئے تعظیما کھڑا ہونا شرعا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: والدین، استاذ، اہل علم یا دوسرے قابل تعظیم افراد کے لئے کھڑا ہونا بہ غرض تعظیم جائز ہے؛ بلکہ فقہاء نے اسے مستحب لکھا ہے۔ (فتاویٰ عثمانی، ۱/ ۲۹۵)

والدین کے کہنے پر بلا عذر شرعی، بیوی کو طلاق دینے کا حکم

سوال: عام طور پر یہ مشہور ہے کہ والدین کے کہنے پر بلا عذر شرعی بھی طلاق دے دینی چاہئے؟ کیا یہ درست ہے؟

جواب: اگر شوہر طلاق دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں سمجھتا تو اسے اپنے والدین کو نرمی کے ساتھ سمجھانا چاہئے، امید کہ نرمی اور حکمت سے فہمائش کی جائے گی تو والدین سمجھ جائیں گے، اور اگر پھر بھی وہ نہ سمجھیں تو طلاق نہ دے اور راضی کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ (فتاویٰ عثمانی، ۱/ ۲۹۶)

بچوں کے نام فرشتوں کے نام پر رکھنا

سوال: بعض لوگ اپنے بچوں کے نام فرشتوں کے نام پر رکھتے ہیں؛ جیسے جبرئیل، عزرائیل، اسرافیل وغیرہ تو کیا ایسا نام رکھنا جائز ہے؟

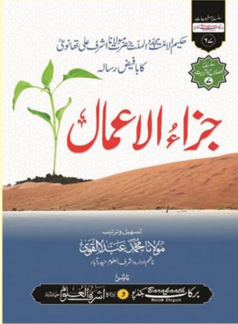
جواب: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرشتوں کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "سموا بأسماء الانبیاء و لا تسموا بأسماء الملائکة" کہ تم اپنے بچوں کے نام انبیاء کرام کے نام پر رکھو فرشتوں کے نام پر مت رکھو؛ لہذا اس طرح کے نام رکھنے سے پرہیز کیا جائے۔

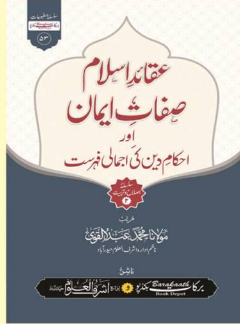
(درسی وتعلیمی اہم مسائل، صفحہ ۵۰۳)

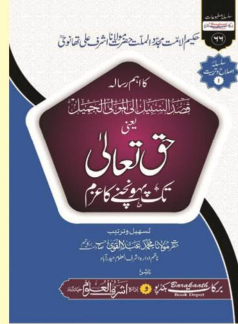
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-

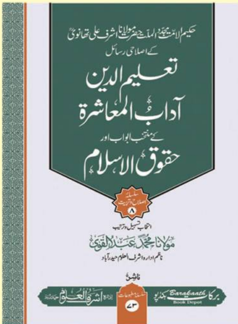
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/20-22

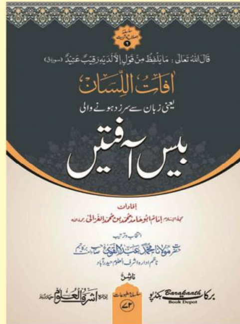
Date of Publication 3rd Sep-22, date of Posting 5th Sep-22

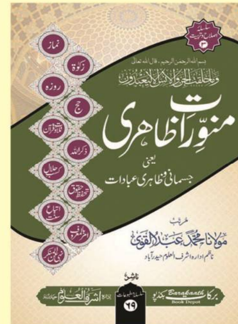




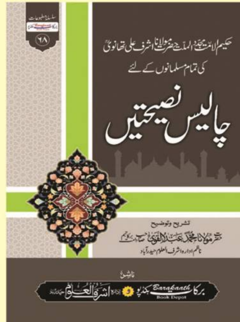


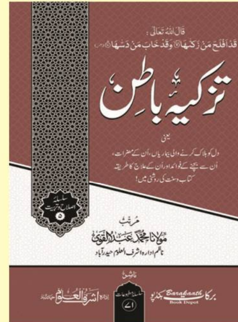












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59